جلال الدین محمد اکبر

یعنے

ہندوستان کے شہرہ آفاق شہنشاہ سلطنت مغلیہ
کے سرتاج کے بچپن۔ مصیبتوں۔ شیر و شکار۔ بحث و
مباحثوں۔ عمارات۔ مہمات یلغاروں کا ولولہ انگیز مرقع

مؤلفہ
منشی احمد الدین صاحب بی اے ملازم دفتر اردو اخبار لاہور

مصنف و مؤلف "حیات ٹوڈرمل" "شیخ ابو الفضل"
"در مکتوم یا حیات زیب النسا" "تماشا دیدنی" وغیرہ

جسکو
منشی ایم اگروال تاجر کتب مہتمم کتبخانہ تعلیمی پنجاب
و پروپرائٹر اردو اخبار انارکلی لاہور نے

فیض عام پریس لاہور میں طبع کرایا

اُردو اخبار

اس کتبخانہ سے اردو اخبار ہفتہ وار شائع ہوتا ہے۔ جسمیں دلچسپ اور مفید مضامین تازہ بتازہ خبروں کے علاوہ شعر و سخن۔ دل خوش کن لطائف و ظرائف اور عقل کے کرشمے یعنی حل طلب معمے (بعض انعامی معمے) بھی درج ہوتے ہیں قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک صرف عہ ہے۔ نقد قیمت ادا کرنے پر عہ کے انعامی ناول اصلی قیمت پر (صرف انعامی ناولوں مندرجہ حاشیہ اخبار میں سے) مفت ملتے ہیں۔ اخیر سال کو خریداروں میں کئی قسم کے نقدی انعام بھی تقسیم ہوتے ہیں اخبار بعض صورتوں میں مفت بھی ملتا ہے۔ مفصل حالات و شرائط کے لئے نمونہ کا پرچہ مفت طلب فرما کر ملاحظہ فرمائیں

مشہور لوگوں کی سوانح عمریاں

حیات ٹوڈرمل } اکبر کے مشہور وزیر اعظم کے ابتدائی حالات یتیمی اور غربت میں مروجہ تعلیم پانا۔ شیرشاہ کے زمانہ میں سرکاری ملازمت میں تجربہ حاصل کرنا۔ اکبری دور میں ایک دن اسے عہدہ پر مامور ہو کر عقل خداداد اور جوہر طبعی کے باعث رفتہ رفتہ ترقی حاصل کرنا۔ میدان جنگ۔ اور صلاح و مشورہ میں نمایاں اور قابل تعریف خدمات انجام دینا۔ مالی انتظامات میں اصلاحیں اور اختراعیں کرنا۔ اور بہت سی اور دلچسپ باتیں سلیس۔ عام فہم اور فصیح اُردو زبان میں قلمبند کیگئی ہیں۔ **قیمت** ۸

شیخ ابوالفضل } اکبر کے مشہور میر منشی کی ذہانت و جودت۔ ابتدائی حالات۔ قوت حافظہ کی دلچسپ مثالیں۔ مطالعہ و کتب بینی۔ اکبری دربار میں ملازمت۔ میر منشی کی حیثیت میں نمایاں خدمات انجام دینا۔ بادشاہ کا منظور نظر اور مورد عنایات بننا۔ سپاہگری کے جوہر۔ تصنیف و تالیف اور انشاپردازی۔ شاعرانہ طبیعت۔ اور عمدہ مذاق نہایت دلکش پیرایہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ **قیمت** ۸

جلال الدین محمد اکبر } ہندوستان کے مشہور شہنشاہ۔ سلطنت مغلیہ کے سرتاج کے بچپن کی ابتدائی مصیبتوں۔ سیر و شکار کی مہموں۔ بحث و مباحثے قابل یادگار۔ جلوس دربار۔ یلغاروں۔ مہموں۔ دین الٰہی اکبر شاہی عمارات۔ سخاوت و فیاضی علم کی قدردانی انتظام وغیرہ کی دلچسپ کیفیت نہایت دلکش۔ اور سلیس و فصیح اُردو زبان میں بیان کیگئی ہے۔ **قیمت** عہ

ملا دوپیازہ } ابوالظرافت ملا دوپیازہ کے حالات زندگی ایسے مذاق آمیز پیرایہ میں مندرج ہیں کہ انسان ہنستے ہنستے لوٹن کبوتر بن جائے۔ اور ہاں حالات بھی تو اس شخص کے ہیں جو مذاق مجسم تھا۔ **قیمت** ۸

دیباچہ

جلال الدین محمد اکبر شہنشاہ ہندوستان کی سوانح عمری لکھنی آسان کام نہیں۔ اس بادشاہ کی تاریخ لکھنی اس سے بھی مشکل کام ہوتا۔ موجودہ سوانح عمری میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ اس مشہور و معروف بادشاہ کے کارناموں۔ ایجادوں۔ انتظام۔ فتوحات وغیرہ کو مختصراً سے قلم بند کیا جائے۔ اس مختصر سی لائف کے مطالعے سے ناظرین پر خود واضح ہو جائیگا کہ خاکسار مولف کو اس کوشش میں کہانتک کامیابی ہوئی ہے۔ وہ اس کی مدح سرائی میں ایک حرف بھی لکھنا نہیں چاہتا۔ اور مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید کے مقولہ پر عمل کر کے ہمایوں کے سعادتمند بیٹے اور بابر کے نامور پوتے کے حالات پبلک کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اصحاب بینش اور اہل دانش سے قدر دانی کی امید ہے۔ اس لائف میں مندرجہ ذیل تاریخوں سے مدد لی گئی ہے۔ مولف نے اپنی طرف سے کوئی خیالی یا بے سروپا امر ایزاد نہیں کیا۔ جو کچھ لکھا ہے بحوالہ تاریخوں کی سند پر لکھا ہے۔ خواہ ان تاریخوں کا نام ہر ایک مقام پر نہ بھی دیا گیا ہو۔

دربار اکبری مولفہ مولوی محمد حسین صاحب آزاد سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور۔ جے ٹالبائے وہیلر کی تاریخ ہند۔ تاریخ ہند مولفہ لیتھبرج (اردو)۔ سر ایڈورڈ سلیوان بارٹ کی تاریخ موسومہ ہندوستان کے فاتح۔ جنگجو اور مدبر۔ فریڈرک اگسٹس کونٹ نوئر کی تاریخ انگریزی "شہنشاہ اکبر"۔ مولف کو اس کتاب کا افسوس ہے کہ بعض دلچسپ باتیں جو طویل تاریخوں میں دی گئی ہیں۔ اس سوانح عمری میں اختصار کو مدنظر رکھ کر قلم انداز کرنی پڑی ہیں ؛

خاکسار مولف

احمد الدین۔ بی اے سا[illegible]



جلال الدین محمد اکبر

اکبر کا سلسلہ نسب

امیر تیمور گورگانی ہندوستان میں آندھی کی طرح آیا۔ اور ملک کو لوٹ گھسوٹ کر بگولے کی طرح چلا گیا۔ اسکے بیٹے میراں شاہ۔ پوتے سلطان محمد مرزا۔ اور پڑپوتے ابو سعید کا کوئی نام تک نہیں جانتا۔ ابو سعید مرزا کا بیٹا عمر شیخ مرزا صرف بابر کا قبلہ و کعبہ ہونے کے سبب کسی قدر مشہور ہے۔ لیکن بابر ہندوستان میں سلطنت کی داغ بیل ڈال کر اس دار ناپائیدار سے رحلت کر گیا۔ ہمایوں اس کے بیٹے نے قصر سلطنت کی بنیاد ہی رکھی تھی کہ شیر شاہی اقبال نے اسے دم نہ لینے دیا۔ اور نہایت بے سروسامانی کی حالت میں دریائے سندھ کے اس پار مقام پاتر میں چلا گیا۔ یہاں ایک دن ماں نے اس کی ضیافت کی۔ وہاں ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی نظر آئی۔ وہ دیکھتے ہی اس کے حسن و جمال پر عاشق ہو گیا۔ دریافت کیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ یہ حمیدہ بانو بیگم ایک بزرگ سید شیخ ژندہ پیل احمد جام کی بیٹی ہے۔

جو آپ کے سب سے چھوٹے بھائی مرزا ہندال کے استاد ہیں۔ ہمایوں نے چاہا کہ اسے عقد نکاح میں لائے۔ ہندال نے کہا مناسب نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ میرے استاد کو ناگوار ہو۔ مگر ہمایوں نے باوجود بھائی کے سمجھانے کے اس پری پیکر کو اپنے محل میں داخل کر لیا۔ ہندال اس حرکت سے ناراض ہو کر قندھار کو چلا گیا۔

ب ہمایوں کی سنئے کہ جب کرتے دھرتے کچھ بن نہ آئی۔ تو اس نے اپنی قلیل ت کے ساتھ جو بیکاری سے اکتا گئی تھی۔ سیہوان کا محاصرہ کیا۔ یہ شہر بھکر اور ٹھٹہ درمیان واقع ہے۔ لیکن بھکر سے ابھی کے افسر نے کمک نہ بھیجی اور مجبور محاصرہ بردار ہونا پڑا۔

ندھ میں قدم نہ جمے تو وہ جودھ پور کی طرف روانہ ہوا یہاں کے راجہ

ایک سال پیشتر یہ کہلا بھیجا تھا کہ اگر حضور ادھر چلے آئیں تو حتی الامکان امداد دینے میں دریغ نہ کرونگا۔ مگر اب کہ مصیبت کی کالی گھٹا چاروں طرف نظر آئی تو اس طوطا چشم نے بھی آنکھیں پھیر لیں۔ اور اس فکر میں ہوا کہ جس طرح ہو ہمایوں کو گرفتار کر کے شیر شاہ کے پاس بھیجدے۔ لیکن ہمایوں کو عین وقت پر اس کی غداری کی خبر پہنچگئی۔ وہ آبادی سے بچتا جنگل کی طرف چلا لیکن جودھپور۔ جیسلمیر اور بیکانیر کے راجاؤں کی فوجیں کہیں چین نہ لینے دیتی تھیں۔ آخر دشمنوں سے لڑتا بھڑتا طرح طرح کی مصیبتیں۔ راستے کی کوفت اور تھکان برداشت کرتا امرکوٹ میں پہنچا۔

پیدائش

امرکوٹ کے قلعہ کا سردار ایک راجپوت تھا۔ وہ ہمایوں کے ساتھ ملکر اپنے قرب وجوار کے سرداروں اور بالخصوص حسین ارغون والئے ٹھٹہ سے لڑنا چاہتا تھا۔ جو ہمایوں سے تھوڑا عرصہ پیشتر بیوفائی کر چکا تھا۔ یہاں اسکے منتشر بہادر جمع ہوئے۔ اور چند روز تک ہمایوں نے بھی آرام کیا اور پھر والئے ٹھٹہ پر چڑھائی کی۔ حمیدہ بانو بیگم کو جسکو ہمایوں پہلے ایک دم جدا نہ کرتا تھا۔ خواجہ معظم اور دیگر معتمدوں کے پاس چھوڑ گیا۔ اسی عالم میں ایک دن ملازم نے آکر خبر دی کہ مبارک۔ اقبال کا ستارا طلوع ہوا۔ یہ ستارا ایسے ادبار اور نحوست کے وقت نکلا کہ کسی کی آنکھ ادھر نہ اٹھی۔ مگر تقدیر میں یہ لکھا تھا کہ یہی ستارا ہو کے چمکے گا۔

ترکوں میں رسم ہے کہ جب کوئی ایسی خوشخبری لاتا ہے تو اسے حسب مقدور کچھ دیتے ہیں امیر اپنی دستگاہ کے بموجب خلعت اور گھوڑا اور نقد و جنس انعام دیتے ہیں سفید پوش اور نہیں تو اپنا چغہ ہی اتار کر دیدیتے ہیں جب یہ سوار ہمایوں کے پاس یہ خبر لایا تو اسکی حالت ایسی دبی تھی کہ دائیں بائیں دیکھا کچھ نظر نہ آیا۔ آخر یاد آیا کہ کمر میں ایک مشک نافہ ہے اسے توڑا اور شگون کے طور پر ذرا ذرا سا مشک سب کو تقسیم کر دیا۔ کہتے ہیں اسوقت ہمایوں نے اپنے امراء سے مخاطب ہو کر یہ کہا۔ "بالفعل میں اپنے بیٹے کی پیدائش کا تحفہ صرف یہی مشک نافہ ہی دے سکتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس بچے کی شمیم اقبال اس مشک کی طرح جس کی مہک سے معطر ہو رہا ہے۔ تمام عالم میں پھیلیگی"۔ ولادت کی تاریخ (۹۴۹ھ ۱۵۴۲ء) شب یکشنبہ دو پہر رات سے۔ سوئی اکبر کی ولادت کے وقت ستارے اس نظام کے ساتھ ہر ایک

برج میں واقع ہوئے تھے کہ آج تک نجومی حیران ہوتے ہیں۔ ہمایوں خود ہیئت اور نجوم میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ وہ اکثر اکبر کے زائچے کو دیکھکر کہا کرتا تھا۔ کہ کئی باتوں میں امیر تیمور سے بھی زیادہ مبارک ہے۔ خدا کی قدرت کہ ہمایوں کا یہ خیال بالکل صحیح نکلا۔

اکبر ابھی حمل تھا۔ اور میر شمس الدین محمد (الملقب آتکہ خان۔ خان اعظم) کی بی بی بھی حاملہ تھیں۔ مریم مکانی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میرے ہاں بچہ ہوگا تو تمہارا دودھ اسے دونگی۔ مگر شمس الدین محمد کے ہاں چند روز بعد بچہ ہوا۔ پہلے مریم مکانی نے آپ دودھ پلایا۔ اور پھر انکے دودھ نہ رہا تو بعض اور بیبیاں دودھ پلاتی رہیں۔ لیکن زیادہ تر دودھ ماہم بیگم اور میر کی اہلیہ نے ہی پلایا۔ یہی باعث ہے کہ اکبر انہیں جیجی پکارتا تھا۔

اکبر کے متعلق چند دلچسپ حکائتیں

جیجی کا بیان ہے کہ اکبر نے ایک دفعہ کئی روز تک دودھ نہ پیا۔ لوگوں نے کہا کہ جیجی نے جادو کر دیا ہے۔ تاکہ کوئی اور دودھ نہ پلائے۔ مجھے اس بات کا بڑا رنج ہوا۔ ایک دن اکیلی اکبر کو گود میں لئے بیٹھی تھی۔ اور اکبر چپکا میرے مُنہ کی طرف دیکھ رہا تھا یکایک بولا۔ کہ جیجی غم نہ کھاؤ۔ دودھ تمہارا ہی پیونگا۔ اور خبردار اس بات کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ میں حیران ہوگئی۔ اور ڈر کے مارے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔

جب اکبر نے عنان حکومت ہاتھ میں لی۔ تو ایک دن شکارگاہ میں شکار کھیلتے کھیلتے تھک کر درخت کے نیچے اُتر پڑا۔ کہ آرام لے۔ اسوقت کوکہ یوسف محمد خان کے سوا کوئی شخص موجود نہ تھا۔ ایک اژدہائے عظیم کہ جس کے دیکھنے سے ڈر لگتا تھا۔ نکلا۔ اور ادھر اُدھر دوڑنے لگا۔ اکبر بیدھڑک جھپٹا اور اسکی دم پکڑ کر مار ڈالا۔ کوکہ حیران ہوا۔ اور یہ ماجرا جیجی (کوکہ کی ماں) سے بیان کیا۔ اسوقت جیجی نے وہ راز بھی منکشف کیا جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔

حمل کے ایام میں اکبر کی ماں بیٹھی سی رہی تھی۔ یکایک کچھ خیال آیا۔ سوئی سے پنڈلی گود کر اسی سے سرمہ بھرنے لگی۔ ہمایوں باہر سے آیا۔ اور پوچھا بیگم کیا کرتی ہو۔ ... یہی چاہتا ہے۔ کہ ایسا ہی گل میرے بچے کے پاؤں میں بھی

... حمیدہ بانو بیگم کو حضرت مریم مکانی کے خطاب سے پکارا جاتا تھا۔

تعجب ہے کہ جب اکبر پیدا ہوا تو اس کی پنڈلی میں بھی ویسا ہی سرمئی نشان تھا۔

اکبر کا قندھار میں پہنچنا

اب ہم پھر اصلی مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمایوں مدت تک ملک سندھ میں شاہ حسین سے لڑتا بھڑتا رہا۔ مگر ہندوستان پر فوج کشی کرنیکی کوئی صورت نہ بنی۔ اس حالت میں ترک دنیا کر کے حج بیت اللہ کا خیال آیا۔ اگر وہ اس ارادہ پر عمل کرتا تو ہندوستان میں خاندان مغلیہ کی حکومت کا خاتمہ ہو جاتا۔ لیکن اس نازک وقت پر اسکا رفیق بیرم بیگ جو شجاعت اور وفاداری کا مجسم پتلا تھا۔ آن پہنچا۔ اس نے دربار اور خلوت میں گفتگو کر کے کہا کہ اس ریگستان میں کیا دھرا ہے کہ ہاتھ آئے۔ ہمایوں نے کہا۔ بہتر ہے کہ اب ہندوستان کو خیرباد کہکر اپنے موروثی ملک میں قسمت آزمائی کریں۔ بیرم خان نے جواب دیا۔ اس ملک سے شاہ مرحوم نے کیا پایا جو حضور کو حاصل ہوگا۔ ایران کو چلنا قرین مصلحت ہے۔ وہ میرا اور میرے بزرگوں کا ملک ہے۔ وہاں شاہ و گدا سب مہمان نواز ہیں۔ غلام وہاں کے رسم و راہ سے واقف ہے۔ اور حضور کے خاندان عالی نے بھی وہاں سے ہمیشہ مبارک اور کامیابی کے شگون پائے ہیں۔

بیرم خان نے حسین ارغون سے صلح کر کے قندھار تک کے سفر کے واسطے بار برداری اور دیگر ضروری سامان لئے۔ ہمایوں نے ملک سندھ سے ڈیرے اٹھائے ایران کا ارادہ فسخ نہ کیا تھا۔ مگر یہ ملک بہت دور اور کامیابی کی امید موہوم تھی خیال تھا کہ تل الغال اور لان کی گھاٹی سے نکل کر قندھار کو دیکھنا چاہئے۔ کہ قریب ہے۔ وہاں سے مشہد بیدرست بھی روشن ہے۔ بلخ و بخارا کی راہ بھی جاری ہے۔ اس وقت منجھلا بھائی عسکری مرزا قندھار پر حکمران ہے۔ آخر بھائی ہے۔ کچھ بھی حق نہ سمجھا تو مہمانی تو کہاں نہ ڈوبے گا دیکھئے وہاں جا کر وہ اور قدیم نمکخوار کیا کہتے ہیں۔ امداد کی حامی بھرتے ہیں۔ ایسے وفادار ان کا موجود ہے شاید آٹھیگا چلا جاؤں تاکہ خلق خدا ملک خدا۔

دریائے سندھ کو عبور کر کے طرح طرح کے خیالات میں الجھا ہوا پہنچا کوہ و دشت کو دیکھتا چلا جاتا تھا۔ ایک منزل میں خبر ملی کہ کامران کا ایک وکیل شاہ حسین ارغون کی بیٹی سے کامران کے بیٹے کی نسبت کا پیام لے چلا ہے۔ اور اس وقت قلعہ

سیوی (سبی) میں اُترا ہُوا ہے۔ ہمایوں نے ہر چند بلایا۔ وہ بیوفا قلعے کا استحکام کرکے بیٹھ رہا اور کہلا بھیجا کہ اہل قلعہ نہیں آنے دیتے۔ اسی عالم میں شال کے قریب پہنچا۔ مرزا عسکری کو بھی خبر پہنچ گئی تھی۔ بے مروت بھائی نے ہمایوں کی توقع کے خلاف ایک سردار کو بھیج دیا تھا کہ حالات معلوم کرکے لکھتا رہے۔ ہمایوں کے دو ملازم سردار مذکور کو رستہ میں مل گئے اس نااہل نے دونوں کو گرفتار کرکے قندھار کو روانہ کیا۔ اور تمام حالات لکھ بھیجے۔ ان میں سے ایک وفادار موقع پاکر ہمایوں کے پاس بھاگ آیا۔ اور تمام ماجرا بیان کیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ حضور کی آمد آمد کی خبر سنکر عسکری نے قلعہ قندھار کی مورچہ بندی شروع کردی ہے۔ ہمایوں کی رہی سہی امید ٹوٹ گئی اور مستنگ کی طرف باگیں پھیریں۔

عسکری مرزا کچھ جمعیت کے ساتھ ہمایوں کو بے خبر گرفتار کرنے کے ارادے سے چلا۔ پہاڑ کا راستہ تھا اور بدرقہ ضروری تھا۔ ہمایوں کا ایک وفادار نوکر جی بہادر تباہی کے عالم میں مرزا عسکری کے ہاں نوکر ہوگیا تھا۔ اس نے عسکری سے کہا۔ اس طرف کا رستہ میں جانتا ہوں۔ لیکن میرا ٹٹو کام نہیں دیتا۔ مرزا نے ایک نوکر سے گھوڑا دلوا دیا۔ چونکہ اسکے دل میں قدیمی نمک کی تاثیر چمک اٹھی تھی۔ تھوڑی دیر رستہ دکھاتا گیا۔ اور پھر گھوڑا دوڑا سیدھا بیرم خاں کے خیمہ میں آیا۔ کان میں کہا کہ مرزا آن پہنچا ہے۔ بیرم خاں نے ہمایوں کے پاس یہ حال بیان کیا۔ اب ایران کے سفر کا ارادہ مصمم کیا۔ اور اپنے ایک امیر تردی بیگ سے گھوڑے منگوا بھیجے۔ مگر اس نے صاف جواب دیا۔ اسوقت کوشاہی کا موقع نہ تھا۔ اکبر اس وقت پورا برس کا بھی نہ ہُوا تھا طوعاً و کرہاً اسکو شمس الدین محمد اتکہ خاں خواجہ سرا۔ اور ماہم اتکہ وغیرہ کے سپرد کرکے گھوڑے دوڑائے۔ اور عین تنت کے موقع پر بے مروت بھائی کے ہاتھوں میں پڑنے سے بچ نکلے۔ پیچھے سے بیگم بھی آن ملیں غرض یہ تو ایران کی طرف چلے اور ادھر مرزا عسکری مستنگ میں پہنچا۔ اور ہمایوں کے خیمہ گاہ کو لوٹ بعض کو سزائیں دے۔ بعض کو گرفتار کرکے اکبر اور اسکے محافظوں کو ساتھ لے قندھار پہنچا۔

اکبر کو قلعہ کے اندر ایک بالاخانہ میں رکھا گیا اور سلطان بیگم اپنی بی بی کے سپرد کیا۔ بیگم بڑی محبت و شفقت سے پیش آتی تھی۔ ماہم اور جیجی انکہ۔ میر غزنوی (شمس الدین محمد) باہر خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ یا صبر خواجہ سرا تھا کہ اکبر کے

عہد میں اعتماد خاں ہو کر بڑا صاحب اختیار ہوا خدا کی شان ہے کہ باپ کے دشمنوں نے بیٹے کو ماں باپ کی طرح پالا۔

ہمایوں جب سرحد ایران پر پہنچا تو شاہ طہماسپ والئے ایران نے اسکے استقبال کے واسطے بہت سی فوج بھیجدی تھی۔ نہایت اعزاز واکرام اور خوشی سے قزوین میں اُتارا گیا۔ گو شاہ آوارہ دشت غربت اور اسکے رفیقوں کی خاطر و مدارت میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا گیا تھا لیکن پھر بھی بعض چھوٹی چھوٹی باتوں سے اسکے شیشۂ دل پر چوٹ لگ ہی جاتی تھی لیکن فی الجملہ اسکو شاہ سے کسی طرح کی شکایت نہ تھی۔ انگریزی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمایوں نے ایران میں طہماسپ شاہ کو خوش کرنیکے خیال سے شیعہ عقائد اختیار کر لئے تھے۔ بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ میں شیعی مذہب کو ایران میں پھیلانے کی کوشش کرونگا بیرم کی خدمات سے خوش ہو کر شاہ طہماسپ نے اسکو خطاب خوانی عطا کیا۔ دو سال بعد ہمایوں شاہ کے کمسن بیٹے مراد اور ایک فوج ہمراہ لیکر قندھار پہنچا۔ اور اسکا محاصرہ کر لیا۔ عسکری مرزا پانچ چھ ماہ تک مقابلہ کرتا رہا۔ لیکن جب کوئی پیش نہ گئی تو قلعہ خالی کرنا پڑا۔ ہمایوں کی پھوپھی خانزادہ بیگم کی سفارش سے عسکری مرزا کا قصور معاف ہو گیا۔ لیکن مصلحت کے خیال سے معمولی حراست میں رکھا گیا۔ قندھار کو فتح کرکے بموجب عہدنامہ کے شاہ ایران کی سلطنت میں شامل کر دیا گیا۔

اس اثنا میں شاہزادہ مراد مر گیا۔ اور ہمایوں کی فوج رسد کی کمی اور دیگر مجبوریوں سے ایرانیوں کو شکست دیکر پھر قندھار پر قابض ہو گئی۔[1]

ہونہار اکبر مرزا کامران کے بیٹے سے کشتی لڑتا ہے

قندھار کا محاصرہ شروع ہوا تو مرزا عسکری نے اکبر کو سب متعلقین کے ساتھ کابل بھیجدیا۔ مرزا کامران نے انہیں خانزادہ بیگم اپنی پھوپھی کے گھر میں اتروایا۔ اور انکے کاروبار بھی انہیں کے سپرد ہوئے۔ دوسرے روز شب برات کی تقریب پر نہایت تزک و احتشام سے دربار کیا گیا۔ اکبر کو بھی دربار میں بلایا گیا۔ مرزا ابراہیم کامران کے بیٹے کے لئے رنگین و نگارین نقارہ آیا۔ اکبر نے کہا یہ نقارہ میں بونگا مرزا کامران نے

[1] دیکھو ٹالبائیس وہیلر کی تاریخ ہند جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۱۳۵ مسٹر ہیڈرسن گنٹس کی تاریخ اکبری جلد اول صفحہ ۳۰

بھتیجے کی دلداری کا ذرا خیال نہ کیا۔ کہا کہ اچھا دونوں کشتی لڑو۔ جو پچھاڑے نقارہ اسی کا مرزا ابراہیم اکبر سے بڑا تھا۔ مگر وہ نونہال اقبالمندان باتوں کو ذرا خیال میں نہ لایا جھٹ لڑنے کو بڑھا۔ اور ایسا بے لاگ اُٹھا کر مارا کہ دربار میں غل اُٹھا۔ ادھر مرزا عسکری کو شکست ہوئی غرض مرزا کامران بہت مایوس ہُوا۔

اکبر کی فراست

جب ہمایوں نے کابل فتح کیا۔ تو اکبر دو برس دو مہینے آٹھ دن کا تھا بیٹے کو دیکھکر آنکھیں روشن کیں اور خدا کا شکر بجا لایا۔ چند روز بعد ختنے کی رسم ادا ہوئی بیگم وغیرہ حرم سرا کی بیبیاں قندھار سے آئیں۔ اور محفل گرم ہوئی۔ اکبر کو بھی لائے۔ اور کہا کہ جاؤ مرزا اماں کی گود میں جا بیٹھو۔ اکبر جب اپنی ماں سے جدا ہُوا تھا۔ دنوں اور مہینوں کا ہوگا بھولے بھالے بچے نے پہلے تو بیچ میں کھڑے ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر دانش خدا داد یا دل کی کشش سے یا لہو کے جوش سے سیدھا ماں کی گود میں جا بیٹھا۔ ماں برسوں کے فراق سے چور ہو رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ گلے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ اس عمر میں اسکی سمجھ اور شناخت پر سب کو بڑی بڑی امیدیں ہوئیں۔

چچا کی سنگدلی

دو سال بعد کامران پھر باغی ہوا۔ ہمایوں نے کابل کا محاصرہ کیا۔ اکبر اندر تھا۔ غضب یہ کہ جس مورچے پر گولوں کا زور تھا پورے پانچ برس کے معصوم بھتیجے کو وہاں بٹھا دیا۔ ہمایوں کے لشکر میں کسی کو یہ حال معلوم نہ تھا۔ یکایک توپ چلتے چلتے بند ہو گئی کبھی مہتابی دکھائی تو رنجک چاٹ گئی۔ کبھی گولہ اگل دیا۔ سنبل خان میر آتش بڑا تیز نظر تھا۔ اس نے غور سے دیکھا تو سامنے آدمی بیٹھا نظر آیا۔ ماہم اکبر کو گود میں دبکا کر توپوں کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ گئی تھی۔ ہمایوں نے دریافت کیا تو حقیقت معلوم ہوئی۔ اس واقع کو یورپین وقائع نگاروں نے قلم انداز کر دیا ہے۔ اس کی صحت میں ہمیں بھی کلام ہے ؂

اکبر پنجاب میں آتا ہے

ہمایوں دس گیارہ سال تک اپنے بھائی کامران سے لڑتا جھگڑتا رہا۔ مگر اس کی وجہ زیادہ تر اسکی نرمی تھی۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوا کہ فتح کے بعد وہ اپنے سنگدل بھائی کو چھوڑ دیتا تھا۔ آخر بہت سی لڑائیوں کے بعد اس نے کامران کی آنکھیں نکلوا دیں۔ شاباش ہے ہمایوں کو کہ مصلحت ملکی کے خیال سے اپنے ہاتھوں کو بھائی کے خون سے داغدار نہ کیا۔ بلکہ صرف مذکورہ بالا سزا پر کفایت کی۔ ہمایوں کا ایک بیٹا محمد حکیم جو چوچک بیگم کے بطن سے تھا جسے اپنی والدہ اور حمیدہ بانو بیگم کے منعم خاں کی سرپرستی میں کابل چھوڑا گیا آخر ۱۵۵۵ء میں فوج ظفر موج نے کابل سے پنجاب کا رخ کیا۔ بادشاہ نے بگرام پر جو آجکل پشاور کے نام سے مشہور ہے مقام کیا۔ اور پھر بیرم خاں کے پہنچنے پر اٹک پر دریائے سندھ کو عبور کرکے پنجاب میں داخل ہوئے۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات یعنی شہزادہ اکبر بھی ہمراہ تھا۔ اسوقت لشکر جرار کی تعداد بقول ابوالفضل صرف تین ہزار تھی۔ لیکن اقبال کی یاوری دیکھو کہ افغان سردار تاتار خان نے قلعہ رہتاس کو جو دریائے جہلم پر واقع تھا۔ اور ناقابل تسخیر مشہور تھا۔ بلا مزاحمت خالی کر دیا اور پھر جلدی ہی لاہور بھی حوالے کر دیا۔ چنانچہ تین ماہ کے عرصہ میں ہمایوں پنجاب پر قابض ہو گیا۔ افغانوں کے ظلم اور باہمی لڑائیوں سے رعایا کا ناک میں دم آیا ہوا تھا۔ لاہور میں داخل ہوتے ہی باشندوں نے نہایت خلوص دل سے خیر مقدم کیا۔ اور لشکر منصور میں ہر روز نئے نئے سپاہی شامل ہونے لگے۔

ماچھی واڑہ اور سرہند کی فتح

ہمایوں کی طبیعت عشرت پسند تھی۔ مگر [illegible] تھا کہ وہ [illegible] مشغول ہو جاتا [illegible] بیرم خاں آرام سے بیٹھنے والا آدمی نہ تھا۔ وہ سپاہ کو ترتیب دیکر ملک گیری کی [illegible] مگر سپاہ کی تعداد دشمنوں کے مقابلہ میں بہت کم تھی۔ دریائے ستلج کے پار تاتار خاں [illegible] لشکر [illegible] کے ساتھ [illegible] ہوا تھا۔ بیرم خاں [illegible] سردار [illegible] دریا پار اتر گیا۔ [illegible] کے قریب دشمن پر [illegible]

صبح ہوتے ہی تاتار خان دم دبا کر بھاگ نکلا مولانا آزاد جنہوں نے ہمایوں اور اکبر کی طرفداری کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے۔ اسی واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں،، ہمایوں نے لاہور میں مقام کیا امرا کو آگے بڑھایا۔ افغانوں نے نواح جالندھر میں بڑی شکست اُٹھائی۔

بیرم خاں دلیری سے آگے بڑھا۔ اور سرہند میں داخل ہو کر مورچے باندھ لئے۔ شہزادے کو سپہ سالار قرار دیا۔ چند روز بعد سکندر سور نے خوانین افغان اور دلاور پٹھانوں کا ۸۰ ہزار انبوہ در انبوہ لشکر جمع کیا۔ اور بیرم کے مقابلہ پر جمکر سد سکندر ہو گیا۔ ہمایوں ملالت کی وجہ سے چودہ روز بعد کمک لیکر پہنچا۔ مگر بیرم اور ہمایوں ایک مفید سپاہیانہ پیچ کھیلے۔ اور گو انکی فوج پٹھانوں سے چارگنا کم تھی۔ غالب آئے۔ وہ پٹھانوں پر یکایک حملہ کر کے قلعہ میں چلے آتے تھے۔ مدعا یہ تھا کہ غنیم خود مورچوں پر حملہ آور ہو۔ کہ سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے۔ سکندر اس چال کو نہ سمجھا اور چغتائی فوج میمنہ پر جو بیرم خان کے زیر کمان تھا۔ دھاوا کیا۔ بیرم مورچوں کے اندر سے مدافعت کرتا رہا۔ اور ہمایوں کے میسرہ نے بیدھڑک بے خبر دشمن کو عقب میں جالیا۔ اوپر سے طوفان برق و بار انکی وہ شدت کہ الامان۔ سکندر کے لشکر کا شیرازہ درہم برہم ہو گیا۔ اور اسکے سپاہی تتر بتر ہو گئے۔ میدان شاہی افواج کے ہاتھ رہا۔ اور وہ دشمن کے اسباب خیمے۔ اور قیمتی غنیمت پر قابض ہو گئی۔

اکبر کی دلیری اور سپاہ گری

ان میدانوں میں اکبر نے ہمت و جرات کے خوب خوب نشان دکھائے۔ اور آخر یہ معرکہ اسی کے نام فتح ہوا۔ بیرم خان نے کلہ مینار بطور یادگار بنایا۔ اور اس مقام کا نام سر منزل رکھا۔ اکبر کو حسن خدمات کے صلہ میں ایک خلعت فاخرہ۔ ایک جواہرات سے مرصع تاج اور بہت سامال غنیمت عطا ہوا۔ اور اسکے علاوہ ہمایوں نے اس کو اپنا ولیعہد نامزد کیا۔ فرشتہ کا یہ قول بالکل صحیح ہے۔ اس سرہند کی فتح سے سلطنت کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ اور دہلی کی بادشاہت ہمیشہ کے لئے پٹھانوں کے ہاتھ سے [illegible]

[illegible] شاہ [illegible] ظفریاب شہزادہ کامیابی کے نشان اڑاتے دلی میں داخل

ہوئے۔ آپ وہاں بیٹھے اور امرا کو اطراف ممالک میں ملک گیری کے لئے روانہ کیا۔ دہلی کی حکومت تردی بیگ کے سپرد ہوئی۔ شاہ ابوالمعالی جسکو ہمایوں نے کمال شفقت سے فرزندی کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ پنجاب کا صوبہ دار تعینات ہوا۔ آگرہ سنبھل اور میوات اور امرا کے سپرد ہوئے۔ ابوالمعالی کی غفلت سے دلیر ہو کر سکندر سور پنجاب کو لوٹ گھسوٹ کر پہاڑوں میں گھس گیا مغرور شاہ ابوالمعالی کے دماغ میں شاہی کی ہوا بھری ہوئی تھی۔ اس نے امرا کی جاگیروں کو توڑا پھوڑا۔ بلکہ پرگنات خالصہ میں تصرف کیا۔ اور خزانے میں بھی ہاتھ ڈالا۔ چنانچہ ہمایوں نے ملک پنجاب اکبر کے نام کر دیا اور بیرم خان کو اسکا اتالیق کر کے اس طرف روانہ کیا۔ شاہ ابوالمعالی نے سلطانپور پر لب بیاس تک اکبر کی پیشوائی کی۔ اکبر نے بھی اس کی حرکت سے اغماض نظر کر کے بیٹھنے کی اجازت دی۔ شاہ صاحب اس سے بہت بگڑے۔ اکبر سے بھی کہا گیا۔ اور خوب چشم نمائی کی۔ جس سے شاہ صاحب دبک کر خاموش ہو گئے۔ سکندر شاہی افواج کا طوفان آتا دیکھ کر قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ پہاڑی ملک اور برسات کا موسم تھا۔ اس سے دق ہو کر اکبر پیچھے ہٹا اور ہوشیارپور کے میدانوں میں شکار سے دل بہلانے لگا۔

ہمایوں کی وفات

بدقسمت۔ بدنصیب۔ عرضہ آفات۔ ناوک مصائب ہمایوں کو پندرہ برس کی جلاوطنی کے بعد بھی چند روز آرام نصیب نہ ہوا۔ علم کا بہت شوق تھا۔ ایک بلند مکان پر کتاب خانہ بنا رکھا تھا۔ اسکے کوٹھے پر دفعتہً گر پڑا۔ بظاہر کوئی چوٹ نہ آئی۔ مگر جاننے والے جان گئے کہ گھڑی ساعت کا مہمان ہے۔ نیم جان کو اٹھا کر محل میں لے گئے۔ وہ چند روز بعد پچاس سال کی عمر میں عالم جاودانی کی طرف سدھارا۔ (۹۶۳ھ ۱۵۵۶ء) تاریخ وفات ہوئی ہے ہمایوں بادشاہ از بام افتاد۔ موت کی خبر کو چھپا رکھا۔ اور اکبر کو فی الفور اطلاع دی گئی کہ آنجہانی کی طائر روح جسد عنصری سے پرواز کر گئی ہے۔

جس وقت ہرکارے نے آکر خبر دی اکبر کے ڈیرے اُس وقت بڑھانے کے مقام پر تھے۔ بیرم نے آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا۔ اور کلانور واقع ضلع گورداسپور کو پھرا۔

اکبر کی تخت نشینی اور تاجپوشی

خانخاناں نے امراء کو جمع کر کے جلسہ کیا۔ اور اتفاق رائے سے جمعہ کے دن ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ کو نماز کے بعد جمہوری تاج اکبر کے فرق مبارک پر جلوہ افروز ہوا۔ نوجوان بادشاہ کی عمر اس وقت شمسی حساب سے ۱۳ برس ۹ مہینے اور قمری حساب سے ۱۴ برس کئی مہینے کی تھی۔ آئین چنگیزی و تیموری کے بموجب جشن شاہانہ کی تمام رسمیں ادا ہوئیں۔ امراء کے منصب بڑھے۔ خلعت انعام اور جاگیریں تقسیم ہوئیں۔ فرمان جاری کئے۔ بیرم خان خانخاناں جو پہلے اتالیق اور سپہ سالار کے منصب پر سرفراز تھا۔ اب وکیل مطلق بنایا گیا۔ تردی بیگ حاکم دہلی نے جو کبھی طوطا چشم اور کبھی وفادار ہو جاتا تھا۔ دہلی میں اکبر کے نام خطبہ پڑھوایا۔ اور مرزا ابوالقاسم پسر کامران مرزا کے ہاتھ خاتم تخت نگیں اور عصا اور دیگر شاہی علامات اکبر کی خدمت میں پیش کیں۔

شاہ ابوالمعالی کی گرفتاری اور فرار

شاہ ابوالمعالی جسکی وجاہت اور خوبصورتی سے خوش ہو کر ہمایوں نے اسکو فرزند کا خطاب دیا تھا۔ اور کئی مرتبہ اسکے قصوروں سے درگذر کی تھی۔ اب پھر بگڑ بیٹھا۔ اصل میں یہ شخص پرلے درجے کا مغرور اور بدنیت آدمی تھا۔ اسکو علانیہ پکڑ کر سزا دینی مصلحت سے بعید تھی۔ کیونکہ مغلیہ سلطنت ہنوز روز اول [illegible] ہلچل مچ جاتی۔ تجویز ہوئی کہ اس کو دعوت کے بہانے حکمت عملی سے گرفتار کریں۔ جب دربار تخت نشینی منعقد ہوا تھا۔ تو شاہ ابوالمعالی اس میں شامل نہ ہوا تھا۔ ساتھ ہی معلوم ہوا کہ وہ فرزند کے دعوے سے تخت و سلطنت حاصل کرنے کی فکر میں ہے۔ بیرم خان نے امراء سے مشورت کر کے [illegible] پیغام بھیجا کہ بعض مہمات سلطنت کی نسبت مشورہ ہے اسی وقت حاضر ہوں [illegible] انہوں نے جواب دیا کہ حضرت سے رخصت ہو کر لاہور چلے جائیں۔ شاہ ابوالمعالی نے پہلے تو آنے سے انکار کیا۔ لیکن بیرم خان کے قاصدوں نے [illegible] تھی اسکے تمام شکوک کو رفع کر کے [illegible] کہ وہ دربار میں چلا آیا۔

در بعض امورِ سلطنت میں گفتگو ہوئی۔ اس اثناء میں دسترخوان بچھا۔ شاہ صاحب بھی شریک ہوئے۔ تو ایک فوجی افسر توپخانہ سے خبر پیچھے سے آیا۔ اور شاہ کی مشکیں کس لیں شاہ صاحب جدوجہد کرنے لگے۔ مگر انکی بساط کیا تھی۔ قید ہو گئے۔ بیرم خان قتل کیا چاہتا تھا۔ مگر اکبر نے پہلی دفعہ اس پر رحم کیا۔ اور قید کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ پہلوان گل گز کوتوال کے زیرِ حراست رکھا گیا۔ شاہ صاحب پہرہ داروں کی آنکھ میں خاک ڈال قید سے بھاگ گئے۔ پہلوان بیچارا خوف کے مارے زہر کھا کر مر گیا۔

جلوس کے سال اول کی یادگار

اکبر نے جلوس کے پہلے سال میں سوداگری کی تمام اشیاء کا محصول معاف کر دیا۔ گو چونکہ اس نے سلطنت کے کاروبار اپنے ہاتھ میں نہیں لئے اسکی پوری تعمیل نہیں ہوئی۔ جب اپنا کام آپ کرنے لگا تو باوجود امرا کی مخالفت کے اس تجویز کو پورا کیا اور ملک کے واسطے یہ عمدہ مثال چھوڑ گیا۔

ہیموں بقال کی فتح و شکست

اکبر لشکر سکندر کو پہاڑوں میں دبا کر چھوڑ آیا۔ اور برسات کے موسم میں جالندھر میں چھاؤنی ڈال کر مینہ کی بہاریں دیکھتا شکار کھیلتا۔ نیزہ بازی چوگان بازی کرتا ہاتھی لڑاتا تھا۔ جسکو اکبر پیارے خان بابا کہتا تھا سلطنت کے بندوبستوں میں مشغول تھا۔ جو یکایک خبر پہنچی کہ ہیموں بقال نے آگرہ لیکر دلی مار لی اور تردی بیگ وہاں کے حاکم بھاگ کر [illegible] آتا ہے۔

ہیموں اگرچہ [illegible] ادنیٰ درجے کا آدمی تھا لیکن زمانہ کی رفتار سے واقف اور مردم شناس تھا۔ افغانوں کے عہد میں [illegible] اچھی اچھی خدمتیں انجام دیں۔ [illegible] اور پھر جنگی و ملکی معاملات میں ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ عادل شاہ کا دست راست اور معتمد بن گیا۔ ہیموں نے اپنے آقا کے نام پر بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ اور کئی ہوئے افغانی علاقے [illegible] میں شامل کئے۔ وہ عادل [illegible] کے واسطے سپاہ اور روپیہ مہیا کرتا تھا۔ اس نے [illegible] کے سرکش اور باغی

افاغنہ کو متواتر شکستیں دیکر ملیامیٹ کر دیا۔ جب مغل دہلی پر قابض ہوئے تو پہلے وہ افغانوں کے نام پر لڑتا رہا۔ لیکن پھر خود بادشاہی کے دعوے سے مقابلہ پر اُٹھ کھڑا ہُوا۔

تردی بیگ حاکم دہلی ضعف تدبیر اور بے ہمتی میں مشہور تھا۔ اور ہیموں بقال اس امر سے بخوبی واقف تھا۔ تردی بیگ نے غنیم کی روک تھام کا کچھ بندوبست نہ کیا آخر وہ اسقدر قریب کہ سوائے قلعہ بند ہو کر بیٹھنے یا میدان میں نکل کر لڑنے کے سوا بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ غنیم کے لشکر کی شوکت و شان اور ساز و سامان کی خبریں دھوم دھام سے اُڑیں۔ آخر فوجیں لیکر بڑھے۔ اور دہلی سے سات میل کے فاصلے پر تغلق آباد پر حریف فوجوں کا مقابلہ ہُوا۔ لشکر شاہی کے ہراول اور میمنہ نے اپنے سامنے کے حریفوں کو اس زور سے دبایا کہ وہ گڑگانوے کی طرف بھاگ گئے۔ ہیموں اپنے فدائیوں اور بقول آزاد[1] تین سو ہاتھیوں کے حلقہ میں کھڑا تھا۔ ادھر تردی بیگ بھی منتظر تھا کہ آدھا میدان تو مار لیا ہے۔ آگے کیا کرنا چاہئیے۔ اس انتظار میں کئی گھنٹے گذر گئے اور فتحیاب فوج مارا مار کرتی ہوڈل پلول تک پہنچی۔ ہیمو تردی بیگ کی حماقت اور غفلت سے خوش ہو کر کمال دلاوری سے حملہ آور ہُوا۔ تردی بیگ کے قدم اُکھڑ گئے۔ ملا پیر محمد جسکو اکبر نے ضروری پیغام دیکر دہلی بھیجا تھا۔ حریف کے دھاوے کو دیکھتے ہی بڑی بزدلی سے بھاگا۔ غرض تردی بیگ کی فتح شکست ہو گئی۔ دوسرے دن ہیموں دہلی میں داخل ہُوا۔ اور تخت نشینی کا جشن دھوم دھام کر کے راجہ مہاراجہ کے لقب پر قانع نہ ہُوا۔ بلکہ بکرماجیت کے خطاب کو نام کا تاج کیا۔

غضب یہ ہُوا کہ آگرہ سے سکندر خان ازبک بھی غنیم سے بھاگ گیا تھا۔ اور علی قلی خان شیبانی جس کو ہیمو کے مقابلہ کے واسطے خاص طور پر تعینات کیا گیا تھا۔ وقت پر تردی بیگ کی کمک کو نہ پہنچ سکا۔ بادشاہ کو ان واقعات کی خبریں پہنچیں۔

[1] ایڈورڈ سلیوان نے پانی پت کی دوسری لڑائی میں ہیمو کے ہاتھیوں کی تعداد تین ہزار بیان کی ہے اور فریڈرک آگسٹس نے بیان کیا ہے کہ جب اکبر مظفر و منصور ہو کر دہلی میں داخل ہوا تو اسکے پاس غنیمت کے پندرہ سو ہاتھی تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہیموں کے ہاتھی تین ہزار ہونگے۔ (مولف)

تو تمام امرا۔ اور سپاہی مایوس ہو گئے۔ لشکر میں کھلبلی پڑ گئی۔ اور شیر شاہی معرکوں کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ گئی۔ امرا کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور آپس میں کہنے لگے کہ موقع بیڈھب آن پڑا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اب کابل کو اُٹھ چلیں اور سال آیندہ میں بخوبی انتظام کر کے غنیم سے ملک چھین لیں۔

خان خانان نے اکبر سے خلوت میں سارا حال عرض کیا۔ اور کہا کہ حضور کچھ فکر نہ کریں حضور کا دست اقبال میری پشت پر چاہیئے۔ چنانچہ امرا بلائے گئے۔ خانخانان نے ایک پر زور اور موثر تقریر کر کے امرا کو سمجھایا۔ اور کہا اس بے عزتی سے بھاگنے سے مرجانا بہتر ہے۔ اسکی تقریر سن کر سب چپ ہو گئے۔ اکبر نے بھی تائید کی اور کہا کہ دشمن سر پر آپہنچا ہے۔ کابل بہت دور ہے۔ اڑ کر بھی جاؤ گے تو نہ پہنچ سکو گے۔ اور میرے سے پوچھو تو میں بھی کہونگا کہ اب ہندوستان کے ساتھ سر لگا ہوا ہے۔ جو ہو سو ہو یا تخت یا تختہ۔ خان بابا اپنے سر اور شاہ مغفرت پناہ قسم میں نے تمہیں اختیار دیا۔ جو مناسب وقت اور مصلحت دولت دیکھو اسی طرح کرو۔ دشمنوں کی کچھ پرواہ نہ کرو۔

مفرور امرا کے نام دلدہی اور حوصلہ افزا فرمان جاری کر کے لکھا کہ تم بہ اطمینان تھانیسر کے مقام میں آ کر ٹھیرو ہم خود لشکر منصور کو لیکر آتے ہیں۔ غرض عید قربان کی نماز جالندھر کی عیدگاہ میں پڑھی اور مبارکباد لیکر پیش خیمہ دلی کی طرف روانہ ہوا۔

فال مبارک

اکبر مصوری کا شوق بھی کیا کرتا تھا۔ سکندر کی مہم فتح ہو چکی (جب ہیموں کی بغاوت کا ذکر بھی نہیں تھا) اکبر ایک روز تصویر خانے میں بیٹھا تھا۔ اور مصور بھی حاضر تھے اور اپنے اپنے کمال دکھا رہے تھے۔ اکبر نے ایک تصویر کھینچی کہ گویا ایک شخص کا سر ہاتھ پاؤں الگ الگ کٹے پڑے ہیں۔ کسی نے عرض کی۔ حضور یہ کس کی تصویر ہے؟ کہا ہیموں کی۔ جب جالندھر سے چلنے لگے تو میر آتش نے چاہا کہ عید کی مبارکبادی میں آتشبازی کی سیر دکھائے۔ اکبر نے یہ بھی فرمائش کی کہ ہیموں کی مورت بناؤ۔ اور اس کی طرح آتش

دیگر اڑادو۔ سر اینڈرڈ سلیوان نے بھی تصویر کے واقع کا ذکر کیا ہے۔ لیکن کسی قدر اختلاف کے ساتھ۔ کہ ہیمو کی تصویر کتب خانہ میں تھی۔ اکبر نے اسکو دیکھا تو ٹکڑے

ملک سے کٹوا ڈالا۔ یہ بانے خیال ہیں یہ صرف معتقدوں کے شوشے ہیں اصلیت کچھ نہیں۔

تردی بیگ کا قتل

تردی بیگ اور بیرم خاں دونوں ترک تھے لیکن مذہب کے اختلاف سے ان میں اختلاف تھا۔ اول الذکر سنی تھا۔ اور بیرم خاں شیعہ۔ بیرم خاں کو اس ذاتی پرخاش تھی۔ اور چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی بہانے سے اسکو قتل کر دے۔ اب اسکی آرزو پوری ہوئی۔ اس نے اکبر سے اجازت لیکر تردی بیگ کو دلی کے بلاوجہ خالی کرنیکے الزام پر قتل کرڈالا۔ لیکن مورخ اس امر پر متفق ہیں کہ مصلحت یہی تھی۔ جو تجربہ کار سپہ سالار اس وقت کر گذرا۔ اگر بیرم خاں اس نازک وقت میں اسکو یہ سزا نہ دیتا تو باقی امیر اس سے بےقابو ہوجاتے۔

پانی پت کی لڑائی ۱۵۵۶ء

نوجوان اکبر تھانیسر کے مقام پر تھا جو سنا کہ غنیم کا توپ خانہ ۲۰ ہزار منچلے پٹھانوں کے ساتھ پانی پت کے میدان میں پہنچ گیا ہے۔ خانخاناں نے نہایت استقلال اور دانشمندی سے سپاہ کے دو حصے کئے۔ ایک حصہ کو لیکر خود بادشاہ جوان سال کی رکاب میں رہا دوسرے کو چند دلاور اور جنگ آزمودہ امیروں کے سپرد کر کے علی قلی خاں سیستانی کو انکا سپہ سالار بطور ہراول روانہ کیا۔ اور اپنی فوج خاص کو بھی ساتھ کر دیا۔ سپہ سالار مذکور نے نہایت شجاعت اور قابل تعریف ہمت سے کرنال کے مقام پر دشمنوں سے آتش خانہ چھین لیا۔

ہیمو بقال کو جب یہ خبر ہوئی تو بہت سٹ پٹایا۔ دلی سے دھواں دھار ہو کر اٹھا اور پانی پت کے میدان پہنچ تمام جنگی طاقت ڈال دی۔ جسکی تعداد ایک لاکھ سوار ۵۰ ہزار اونٹ سوار اور [illegible] تین ہزار ہاتھی بیان کی گئی ہے۔ علی قلی [illegible] تک آگے بڑھا۔ بیرم خاں [illegible] تھی [illegible] اسکے ہمراہ صرف دس ہزار فوج تھی۔ وہ [illegible] لیکر حریف سے دست بگریباں ہوگیا۔ معرکہ کارزار کی جو کیفیت تھی وہ قابل دید تھی۔ معرض تحریر میں نہیں آسکتی۔ پانی پت کے [illegible]

خدا جانے کب تک کتابوں میں یادگار رہیگا۔ اسوقت اکبری لشکر کرنال میں تھا۔ اور کسی کو لڑائی کا خیال تک نہ تھا۔ وہ خاطر جمع سے وہاں سے چلے میدان جنگ سے پانچ میل کے فاصلے پر خبر ملی کہ غنیم سے مقابلہ ہو گیا۔ مگر میدان کا طور بے طور ہے۔ ہیمو نے مقابل میں ہاتھیوں کو صف آرا کیا تھا۔ انکے ریلے سے میمنہ اور میسرہ کی شاہی فوج منہزم ہو گئی۔ صرف قلب لشکر قائم رہا۔ ہیمو نے اسکو بھی شکست دینے کی کوشش کی مگر قضا کار اس کی آنکھ میں دفعتہً تیر آ لگا۔ جس سے بیہوش ہو کر ہودے میں گر پڑا۔

ادھر خان خانان نے لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ اور اکبر خود اسلحہ جنگ زیب تن کرنے لگا مگر چہرے سے شگفتگی اور شوق جنگ ٹپکتا تھا۔ تھوڑی دور گئے تھے کہ ایک شخص نے فتح کی خبر دی۔ کسی کو یقین نہ آیا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد چاروں طرف سے مبارک مبارک کی آواز سنائی دینے لگی۔ ہیمو کے مہاوت نے اسکو میدان جنگ سے بچا لیجانیکی کوشش کی۔ لیکن ایک شخص شاہ قلی محرم مہاوت کو دھمکا کر ہاتھی کو اکبر کے حضور میں لیگیا۔ نوجوان بادشاہ بے بس دشمن کے خون سے ہاتھ رنگنا نہ چاہتا تھا لیکن بیرم خان نے بلا پس و پیش اسکا سر تن سے جدا کر دیا۔ مقام جنگ پر عظیم الشان کلہ مینار بنوایا۔ اور پندرہ سو ہاتھی اور بہت سی غنیمت لیکر مظفر و شادمانی دلی میں داخل ہوئے پانی پت کی دوسری لڑائی دو محرم ۹۶۴ھ مطابق ۵ نومبر ۱۵۵۶ء کو ہوئی اور اس سے مغلیہ سلطنت کی ہندوستان میں دوبارہ بنیاد پڑ گئی ۔

بیرم خانی دور کا اختتام اور اکبر کی مطلق العنانی

تقریباً چار برس تک اکبر شاہ شطرنج کی طرح مسند پر بیٹھا خانخانان کی چالیں دیکھا کرتا تھا اکبر نیزہ بازی۔ چوگان بازی میں مصروف رہتا۔ باز باشے اڑاتا۔ اور ہاتھی لڑاتا تھا جاگیر انعام موقوفی بحالی غرض کل کاروبار سلطنت خانخانان کے ہاتھ میں تھے اسکے رشتہ دار متوسل اور ملازم زرخیز۔ اور سرسبز جاگیریں پاتے تھے۔ بادشاہی نمکخوار جو باپ دادا کے عہد سے خدمتوں کے دعوے رکھتے تھے۔ انکی جاگیریں ویران اور وہ خود پریشان تھے۔ خانخانان نے شاہی نمکخواروں کی حق تلفی کر کے اپنے پچیس منظور نظر لوگوں کو منصب پنج ہزاری عطا کیا تھا۔ بادشاہ سب کچھ دیکھتا تھا۔ لیکن

خاموش ہو رہتا تھا۔

خانخاناں کی مخالفت میں کئی امیر تھے۔ مگر سب سے زیادہ ماہم انگہ اور اسکا بیٹا ادہم خاں اور چند رشتہ دار تھے۔ ماہم انگہ نے اکبر کو صغر سنی میں پالا تھا۔ اور جب بیدرد چچا نے معصوم بھتیجے کو توپ کی زد پر بٹھا دیا تھا۔ تو یہی بہادر عورت اسکو گود میں لیکر بیٹھی تھی۔ اسکے بیٹے نے باہر اور اس نے اندر ہی اندر جوڑ توڑ شروع کئے۔ لیکن انکا یہ ارادہ تھا کہ بیرم خاں کو اکبر خود کاروبار سلطنت پر متصرف ہو جائیں۔ مگر ایران سب لیا فتنوں کا مجموعہ تھا۔ جو سزاوں میں ایک بادشاہ کو بھی نصیب نہ ہونگی۔ اٹھارہ برس کی عمر میں اکبر خود مختار ہو گیا۔ اور جب بیرم خان نے دیکھا کہ اب سلطنت ہاتھ سے گئی تو علم بغاوت بلند کیا۔ اور چند امرا کو ساتھ ملا لیا لیکن شکست کھائی۔ اور بادشاہ کے پاؤں میں گر پڑا۔ اکبر نے نہایت دریا دلی سے اسکا قصور معاف کیا اور کہا آپکو اختیار ہے کہ سرحد کی سپہ سالاری منظور کریں یا دربار میں رہیں یا حج بیت اللہ کریں۔ بیرم خان نے مصلحت کے خیال سے مکہ معظمہ کے سفر کا ارادہ کیا۔ لیکن اس کی یہ آرزو بر نہ آئی۔ راستہ میں بمقام پٹن اسکو ایک افغان نے مار ڈالا۔ جسکا باپ مغلوں سے لڑتا ہوا کام آیا تھا۔ بیرم خان کی زبان پر کلمہ اللہ اکبر تھا کہ روح رب الارواح کے سپرد کی۔

یہ ۹۶۸ھ / ۱۵۶۱ء کا واقعہ ہے۔ اور کہہ سکتے ہیں کہ اکبر اسی سال بادشاہ ہوا۔ کیونکہ اب اس نے سلطنت کے کاروبار خود سنبھالے۔ اکبر کو اسوقت چند در چند مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ (۱) وہ ایک بے علم اور ناتجربہ کار نوجوان تھا۔ بچپن میں کسی نے تعلیم نہ دی لڑکپن میں موقع نہ ملا۔ جوان ہوئے اور باز اڑانے اور گھوڑے دوڑانے میں مصروف رہتا تھا۔ (۲) لڑکپن میں ہی سلطنت سر پر آ پڑی۔ (۳) ابھی تمام ملک شاہی فتح نہ ہوا تھا۔ بالخصوص پورب کا ملک شیر شاہی سرکشوں سے افغانستان ہو رہا تھا۔ (۴) بیرم خان ایسے منتظم اور بارعب امیر کا در سے نکلنا معمولی بات نہ تھی۔ خصوصاً جبکہ تمام ملک باغیوں سے بھڑوں کا چھتا ہو رہا تھا۔ (۵) امیر جن سے پالا پڑا وہ سرکش اور بیوفا تھے لیکن آخر اس نے اس ہمت پر کہ سب کو مطیع کر کے تمام سلطنت کو زیر نگین کر لیا۔ اسکی فوج جس طرف جاتی تھی فتحیاب ہو کر واپس آتی تھی۔ اکثر مہموں میں خود

اس کڑک دمک سے گیا کہ اکبر کی اقبال کی دھاک بندھ گئی۔ اور تمام عمل سپاہی اور پرانے پرانے سپہ سالار حیران رہ گئے ۔

اکبر کی پہلی یلغار ادہم خان پر ۱۵۶۱ء

اب ادہم اتکہ کا طوطی بولنے لگا۔ اس نے تھوڑے عرصہ میں اکبر کے دل پر جست اثر پیدا کر لیا۔ سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر اسکے منظور نظر اور دوست نظر آنے لگے۔ اس نے اپنے بیٹے کو مالوہ کی دوبارہ تسخیر اور گورنری پہ تعینات کرایا اس نے مالوہ فتح کر کے خود سری اختیار کی۔ اور اکبر کو مجبوراً اسکو راہ راست پر لانا پڑا۔ اس مہم کے تفصیلی کوائف بہت دلچسپ ہیں۔

ملک مالوہ میں شیر شاہ کا صوبیدار شجاعت خان شجاول بارہ برس حکومت کر کے دنیا سے رخصت ہوا۔ باپ کی مسند پر باز خاں عرف باز بہادر رونق افروز ہوا۔ وہ دو برس تک خود مختار ہو کر حکومت کرتا رہا۔ بیرم خان نے اسکی گوشمالی کیلئے علی قلی خان خانزمان کے بھائی بہادر خان کو مقرر کیا۔ بیرم خان معتوب ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور بہادر خان مہم کو ناتمام چھوڑ کر طلب ہوا۔ اکبر نے ادہم خان اور ناصر الملک (ملا) پیر محمد کو فوجیں دیکر باز بہادر کے مقابلہ پر روانہ کیا شاہی سپہ سالاروں کے مقابلے میں باز بہادر کی کیا بساط تھی۔ شکست کھا کر نربدا پار بھاگ گیا۔ اسکے گھر میں پرانی سلطنت تھی۔ اور دولت بے قیاس۔ دفینے۔ خزینے۔ توشہ خانے جواہر خانے تمام عجائب و نفائس سے مالا مال ہو رہے تھے کئی ہزار ہاتھی تھے۔ عربی و ایرانی گھوڑوں سے اصطبل بھرے ہوئے تھے۔ سیکڑوں کنچنیاں ڈومنیاں پاتریں حرم سرا میں داخل تھیں۔ بے قیاس نعمتیں ہاتھ آئیں۔ تو ادہم خاں مست ہو گئے۔ کچھ ہاتھی ایک عرضداشت کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں بھیجے اور آپ تقریباً خود مختار ہو گئے۔ ملا پیر محمد نے بھی بہت سمجھایا مگر ہوش نہ آیا۔

ادہم خان کی نظر بالخصوص ایک سپہ [illegible] پاتر پر تھی۔ اسے بلایا مگر وہ حاضر ہونے سے انکار کیا۔ تو سہیلیوں کے سمجھانے سے آئی۔ لیکن زہر کھا کر

پلنگ پر ایسی سوئی کہ پھر بیدار نہ ہوئی۔ اکبر کو پل پل کی خبر پہنچ رہی تھی۔ چند جان نثاروں کے ساتھ گھوڑے دوڑائے۔ رستے میں کاکروں کا قلعہ فتح کیا۔ کہ ادہم خان بھی اس پر فوج کشی کے ارادے سے آرہا تھا۔ ماہم بیگم نے بادشاہ کی آمد کی اطلاع بھیجی لیکن بادشاہ اس سرعت سے گئے تھے کہ قاصدوں سے پہلے پہنچ گئے۔ ادہم خان کو بادشاہ کے آنے کا سامان وگمان بھی نہ تھا۔ دیکھکر حیران سا رہگیا۔ نوکر چاکر پہلے ہی کورنش کر چکے تھے۔ ناچار خود بھی گھوڑے سے اترا۔ اور اکبر کی رکاب پر سر رکھدیا۔ اکبر پہلے تو ناراض ہی رہا۔ لیکن اسکے عجز وانکسار کو دیکھکر دن بھر کے بعد عرض قبول اور خطا معاف ہوئی۔

شاہ جوان بخت نے ادہم خان کے حرم سرا کی پشت پر ایک کوٹھے پر آرام کیا ادہم خان کو وہم ہوا کہ اس سے میرے ننگ و ناموس میں خلل اندازی مقصود ہے۔ اس نے اپنے آدمی لگا رکھے کہ اگر شاہ دست درازی پر مائل ہوں تو انکا کام کر دو۔ مگر ان کی ہمت نہ پڑی۔ دوسرے دن ماہم پہنچی اور اس نے بیٹے کو لعنت ملامت کی۔ اکبر کو باز بہادر کی عورتوں میں سے کچھ عورتیں پسند آئی تھیں۔ وہ ساتھ لے لیں ان میں سے دو پر ادہم خان کی نیت بگڑی ہوئی تھی۔ ماں کی لونڈیوں کی معرفت دونوں پریوں کو اڑالیا۔ اکبر کو خبر ہوئی تو چاروں طرف آدمی دوڑائے۔ وہ جستجو کر کے پکڑ ہی لائے۔ ماہم نے بھی سنا۔ سمجھی کہ دونوں عورتیں سامنے آئیں تو بھانڈا پھوٹ جائیگا۔ دونوں بیگناہوں کو بالا بالا مروا ڈالا۔ اکبر پر بھی راز کھل گیا تھا مگر لہو کا گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اور آگرے کو روانہ ہوا۔ آگرے میں آکر چند روز بعد ادہم خان کو بلالیا پیر محمد خان کو علاقہ سپرد کیا۔ اکبر نے اس یلغار میں مہینے کا راستہ ایک ہفتے میں طے کیا تھا۔

ادہم خان کا قتل ۹۶۹ھ ۱۵۶۲ء

گزشتہ سال میں شمس الدین محمد اتکہ نے پنجاب میں کارہائے نمایاں انجام دیئے اور نہایت قیمتی تحائف اور پیشکش لیکر دربار میں حاضر ہوا۔ اکبر بہت خوش ہوا۔ بیرم خان کی علیحدگی اور وفات کے بعد وزیر اعظم کا عہدہ خالی ہوا تو اس پر منعم خان

سرفراز ہُوا۔ اب شمس الدین نے اپنی کارگذاری دکھا کر خانخانان یا وزیرِ اعظم کا عہدہ حاصل کر لیا۔ اور منعم خان جو ماہم انکہ کا حامی و معاون تھا برطرف کر دیا گیا۔ ماہم انکہ اور اُس کے طرفدار بہت جلتے تھے۔ لیکن ادہم خان کے واقع کے بعد بادشاہ ان کی کچھ نہ سنتے تھے شمس الدین محمد اتکہ کے دشمن ہاتھ دھو کر اسکے پیچھے پڑ گئے۔ اور جب ادہم خاں مالوہ سے معزول ہو کر آیا۔ تو اسکو اپنا دل کا بخار نکالنے اور اتکہ خاں کے قتل پر مشتعل کیا۔

۱۶ مئی ۱۵۶۲ء کو خانخانان منعم خاں اور شہاب الدین خاں آگرہ کے محل شاہی میں بیٹھے معاملات سلطنت پر بحث کر رہے تھے۔ ادہم خان چند بدمعاشوں کے ساتھ اندر گھس آیا اور خانخانان (شمس الدین محمد اتکہ) کی چھاتی میں خنجر جھونک کر کام تمام کر دیا۔ اور خون چکاں خنجر ہاتھ میں لئے شاہ کے کمرے کی طرف چلا۔ اکبر سو رہا تھا شور و غل سے بیدار ہو کر باہر نکلا اور اسکا باعث پوچھا اتنے میں ادہم خان اس پر جھپٹا اور ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔ میرے اظہار سننے کے بغیر سزا نہ دینا۔ اکبر نے ہاتھ چھڑا کر اسکے منہ پر ایک ایسا مکہ رسید کیا کہ وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ پھر اُسکو محل کے کنگورے سے گرا کر مروا ڈالا ماہم اتکہ بستر مرض سے اُٹھ کر اپنے بیٹے کی سفارش کو دوڑی لیکن اس کے آنے سے پیشتر کام تمام ہو چکا تھا۔ وہ مرض کی شدت اور بیٹے کے غم سے چالیس روز بعد عالم جاودانی کو رحلت کر گئی۔

مرزا شرف الدین اور شاہ ابوالمعالی کی سازش

اتکہ خان کے قتل سے اسکے قبیلہ کے لوگ ناراض ہو گئے۔ لیکن جب معلوم ہُوا کہ بادشاہ نے ادہم خان کو قصاص میں مروا ڈالا ہے تو انکے دل کسی قدر ٹھنڈے ہوئے پھر بھی منعم خان وغیرہ کی طرف سے ان کی رنجش کم نہ ہوئی۔ آخر وہ گکھڑوں کی مہم میں بھیجے گئے۔ تو اُنکے قضیہ سے نجات ملی۔ لیکن اب ایک اور مصیبت کا سامنا ہُوا ایک تیموری شہزادہ مرزا شرف الدین خواجہ معین الدین کا بیٹا والد سے ناراض ہو کر توران سے یہ ہندوستان چلا آیا۔ یہاں اسکو ماہم اتکہ کی سفارش سے پنجہزاری منصب عطا ہُوا۔ اور شاہ کی ہمشیرہ باشی بانو بیگم سے شادی ہو گئی۔ اس کی عمدہ کارگذاری سے بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اور ناگور اور اجمیر کی صوبہ داری مرحمت

ہوئی وہ ابھی دربار میں تھا کہ اسکا والد مکہ سے آگرہ میں آیا۔ اور اسکا بڑی دھوم دھام سے استقبال ہوا۔ شرف الدین اپنی جان کے خوف سے ناگور اور اجمیر کی طرف مفرور ہوگیا۔ حسین قلی بیرام کے خواہرزادہ کو اسکی گرفتاری کے واسطے بھیجا گیا۔ مقام جالور میں شرف الدین کی ابوالمعالی سے ملاقات ہوئی۔ جو مکہ سے واپس آیا تھا۔ اسکو بادشاہ کے ساتھ عداوت تھی۔ انہوں نے صلاح کی کہ شہزادہ محمد حکیم (اکبر کے سوتیلے بھائی) کو اکبر کی بجائے تخت پر بٹھادیں ابوالمعالی نے کہا میں کابل جاکر شہزادے کو لے آؤنگا۔ شاہی سرداروں نے انکا تعاقب کیا۔ شرف الدین تو کام آیا۔ اور ابوالمعالی سرحد پار فرار ہوکر کابل پہنچ گیا۔ کابل میں اس نے پھر منصوبہ پردازیاں شروع کیں اور آخر ۱۰ امئی ۱۵۶۳ء کو قتل ہوا۔

بال بال بچا

اکبر نہایت خوش نصیب اور صاحب اقبال بادشاہ تھا۔ کئی مرتبہ دشمنوں کے وار سے اس طرح بچا کہ اگر غیب کی نگہبانی نہ ہوتی تو بچنا محال تھا۔ ایک دفعہ دلی میں شکار سے پھرتے ہوئے سلطان نظام الدین اولیا کی زیارت کو گئے۔ وہاں سے رخصت ہوکر ماہم کے مدرسے کے پاس پہنچے تھے کہ شانے میں کچھ لگا۔ دیکھا تو تیر جو ½ کندھے سے پار ہوگیا۔ خود تیر کھینچکر نکالا۔ مجرم کو پکڑ لائے۔ معلوم ہوا کہ فولاد حبشی مرزا شرف الدین کا غلام ہے جس نے شاہ ابوالمعالی سے سازش کی تھی۔ غلام روسیاہ قتل ہوکر کیفر کردار کو پہنچا۔

اکبر کی دوسری یلغار خان زمان پر

پیر محمد کی وفات پر مالوہ کی صوبہ داری عبداللہ خان ازبک کے سپرد ہوئی۔ اس نے مالوہ میں پہنچ کر ۱۵۶۲ء میں باز بہادر کو جو ایک دفعہ پہلے بھی نربدا سے پھر اپنے آبائی علاقہ میں واپس چلا آیا تھا دوسری مرتبہ خارج کیا۔ مگر عبداللہ خان کے شیوہ سے خود مختاری کی بو آتی تھی۔ اکبر ۱۵۶۴ء میں اسکی گوشمالی کے واسطے روانہ ہوا اور مقیم خان کو اسکے راہ راست پر لانے کی غرض سے بھیجا۔ عبداللہ خان کہتا

کہ اس میں کوئی پیچ ہے۔ اپنا مال ومتاع اور حرم چھوڑ کر چنگیز خاں والئے گجرات کے علاقہ میں چلا گیا۔ اکبر نے چنگیز خان کو لکھا بھیجا کہ یا تو عبداللہ خان کو ہمارے حوالے کر دو یا اسکو اپنے علاقہ میں پناہ نہ دو۔ عبداللہ خاں مالوہ میں واپس آیا لیکن شاہی فوج کے تعاقب سے مجبور ہو کر اپنے رشتہ دار اور ہمقوم علی قلی خان صوبہ دار جونپور کے ہاں پناہ گزین ہوا۔ یہاں وہ چند سال عالم عقبیٰ کو چل بسا۔ علی قلی خان الملقب بہ خانزماں۔ اسکا بھائی بہادر خان۔ چچا زاد بھائی اسکندر اور ماموں ابراہیم مشرقی صوبوں پر حاکم تھے۔ علی قلی خان نے بنگالہ کے پٹھانوں پر ایک نمایاں فتح حاصل کی۔ اور بہت مال و اسباب لوٹنے کے علاوہ کثیر التعداد ہاتھی ہاتھ آئے۔ اور بادشاہ کو غنیمت کا کچھ حصہ نہ بھیجا۔ بلکہ خود مختار بادشاہ کی طرح سب کچھ خود ہضم کر گیا مہم مالوہ سے واپس آ کر بادشاہ اسکی گوشمالی کے واسطے روانہ ہوا۔ علی قلی خان اور اسکا بھائی ہاتھی اور بہت سے قیمتی تحائف لیکر دریائے گنگا کے کنارہ پر شاہ عالم پناہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن کے قصور معاف ہو گئے اور مہم کا خاطر خواہ فیصلہ ہو گیا۔

لیکن دوراندیش بادشاہ چاہتا تھا کہ متمرد سرداروں کو انکے علاقہ سے بلا کر دربار میں رکھے۔ جہاں انکو بغاوت کا خیال اور حوصلہ نہ ہوگا۔ اس نے اپنے میر منشی اشرف خان کو آگرہ سے اسکندر جاگیردار اودھ کے طلب کرنے کے لئے بھیجا۔ اسکندر بھانپ گیا۔ اور میر منشی کو ابراہیم کے پاس لیگیا۔ اور کہا کہ ہم سب ملکر دربار میں حاضر ہونگے۔ ابراہیم اور اسکندر مشورہ کر کے میر منشی کو ساتھ لیکر علی قلی خان کے پاس جونپور پہنچے۔ وہ نہ چاہتا تھا کہ اپنے رشتہ داروں کو اکبر کے حوالے کر دے۔ چنانچہ علم بغاوت بلند کر کے علانیہ دشمنی پر اُتر آیا۔ اور شاہی جاگیرداروں کو مار کر بھگا دیا علی قلی خان نے مجنون خان قاقشال اور آصف خان کو اسقدر دبایا کہ انہوں نے کڑہ مانک پور میں دم لیا۔ اکبر نے اسکے مقابلہ پر منعم خان خانخانان کو بھیجا۔ اور چند روز بعد خود بھی بمقام قنوج اس سے آملا۔ اسوقت اسکندر اور ابراہیم لکھنؤ میں تھا۔ اکبر یلغار کرتا ہوا۔ شب و روز میں لکھنؤ پہنچا۔ ابراہیم اور سکندر دم دبا کر بھاگے اور علی قلی خان اور بہادر خان کے ساتھ جا ملے۔ پھر سب پہلے جونپور اور پھر گنگا

عبور کر کے دوسری طرف چلے گئے۔ اکبر بھی جونپور پہنچا اور آصف خان کو گنگا عبور کر کے علی قلی خان سے مقابلہ کرنیکا حکم دیا۔ علی قلی خان نے بہادر خان اور اسکندر کو سروار میں بغاوت پھیلانیکی غرض سے بھیجا۔ اور خود شاہی فوج کا مقابلہ کرتا رہا۔ اس اثنا میں آصف خان کی بجائے منعم خان سپہ سالار مقرر ہوا تھا اور وہ خان زماں کا قدیم دوست تھا۔ اسکی سفارش سے اکبر نے علی قلی خان خانزماں کا قصور معاف کر دیا اور صلح ہوگئی۔

ادھر بہادر خان اور اسکندر نے خیر آباد پر شاہی فوج کو شکست دی جہاں شاہی افواج کے سپہ سالار میر معزالملک اور راجہ ٹوڈرمل[1] تھے۔ جب بہادر خان وغیرہ کو خبر پہنچی کہ صلح ہوگئی ہے انہوں نے باوجود کامیابی کے شاہ کی خدمت میں معافی نامہ ارسال کیا۔ اکبر نے کمال دریادلی سے انکو معاف کیا اور اپنے سپہ سالاروں کو واپس بلا لیا۔ علی قلی خان کو جب اپنے بھائی کی کامیابی کی خبر پہنچی تو وہ پھر باغی ہو گیا۔ اور عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھکر گنگا عبور کر کے محمد آباد ہوتا ہوا۔ جونپور اور غازی پور پر قابض ہو گیا۔ اکبر یلغار کرتا ہوا روانہ ہوا۔ علی قلی کوہستان شوالک میں روپوش ہو گیا۔ ادھر بہادر اور اسکندر بھی منحرف ہو گئے تھے۔ اکبر نے جونپور کی طرف پیشقدمی کی تو بہادر اور اسکندر زہن کے گھاٹ سے گنگا پار اُتر گئے اکبر نے انکے تعاقب کے لئے ایک دستہ بھیجا۔ اور تاکید کی کہ جبتک انکی قرار واقعی گوشمالی نہ ہو جائے۔ مقام نہ کرو یہ سُنکر علی قلی خان کوہستان شوالک سے اُترا اور منعم خان کی وساطت سے اکبر نے اسکے قصور پھر معاف کئے۔ اس مہم سے فارغ ہو کر اکبر ۲۶ مارچ ۱۵۶۶ء میں آگرہ میں پہنچ گیا۔

۱۵۶۷ء میں علی قلی خان اور اسکے رفیقوں نے پھر بغاوت کی۔ اور قریب جوار کے ملک کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ اور مرزا محمد حکیم اکبر کے سوتیلے بھائی کے نام خطبہ پڑھوایا۔

اکبر اسوقت لاہور تھا۔ لیکن ۲۲ مارچ کو برق سے تیزی سے کوچ کرتا ہوا۔ آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور تین مئی کو پایہ تخت میں پہنچ گیا۔ منعم خان کو یہیں چھوڑا

[1] اس مہم کے مفصل حالات راجہ ٹوڈرمل کی سوانح عمری میں بیان کئے گئے ہیں (مولف)

اور خود یلغار کرتا جونپور چلا۔ سنیت کے قریب گیا ہوگا کہ علی قلی خاں شیر گڑھ کا محاصرہ چھوڑ کڑہ مانک پور میں اپنے بھائی بہادر سے جا ملا۔ اکبر نے خود تو دونوں بھائیوں کا تعاقب کیا اور محمد قلی خاں برلاس۔ راجہ ٹوڈرمل۔ اور دیگر سرداروں کو ۶ ہزار سوار کے ہمراہ اودھ میں سکندر کے مقابلہ پر بھیجا۔

اس اثنا میں علی قلی اور بہادر خاں دریائے گنگا کو عبور کر کے کالپی کی طرف چلے گئے تھے۔ اکبر نے اپنا کیمپ خواجہ جہان کے زیر کمان کڑہ کی طرف روانہ کیا۔ اور خود مانک پور کے گھاٹ پر چلا گیا۔ کہ دشمن سے معرکے کا میدان ہو۔ ایک ہاتھی پر دریا پار اتر گیا۔ اور صرف ڈیڑھ ہزار سواروں کو لیکر درختوں کے جھنڈ میں گھات پر کھڑا ہو گیا۔ غنیم کو اس کی آمد کی خبر نہ تھی۔ اور شراب پی کر بدمست ہو رہے تھے۔ آخر شاہی نقاروں کی آواز سے وہ بھی خواب غفلت سے بیدار ہوئے۔ لیکن اکبر نے بجلی کی طرح کڑکتا ایسا گرا کہ دشمنوں کو تیاری کرنیکی مہلت نہ ملی۔ مجنوں خاں میسرہ۔ اور آصف خاں میمنہ پر اور خود قلب میں ہاتھی پر سوار ہودہ میں عزیز کوکہ کو لئے جم گیا۔ جب لڑائی کا رن پڑا تو ہاتھی سے اتر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ دشمنوں نے بھی شجاعت اور مردانگی کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ بہادر خاں گرفتار ہوا۔ بعض امرا نے اسکو فی الفور قتل کرا دیا۔ علی قلی خاں کو ایک مہاوت نے ہاتھی کے پاؤں سے کچل ڈالا۔ ایک سپاہی نے اسکا سر کاٹ لیا ایک اور اس سے چھین کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اکبر نے اپنے حریف کا سر دیکھکر گھوڑے سے اتر جبین نیاز گھس کر خداوند تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ کہ سلطنت کے دو نہایت خطرناک دشمن ہلاک ہوئے۔ علی قلی خاں اور بہادر کے سروں میں خوشبودار دوائیاں بھر کر عبرت دلانیکے خیال سے آگرہ۔ دہلی اور ملتان میں تشہیر کی گئی۔ منعم خاں کو جونپور۔ بنارس۔ غازی پور۔ چنار اور علاقہ زمانیہ کا گورنر تعینات کیا گیا۔

ٹوڈرمل اور دیگر شاہی سپہ سالاروں نے اسکندر کو اودھ میں الیا دبایا کہ اسکے پاؤں نہ جمے۔ اور صلح کی خط وکتابت کے بہانے سے پٹھانوں کے علاقہ میں پہنچ گیا بادشاہ نے لکھا۔ کہ وہ شاہی حدود سے باہر چلا گیا ہے۔ اسکے تعاقب سے ہاتھ اٹھاؤ اسکا منصب اور جاگیر محمد قلی خان برلاس کو عطا ہوا۔

ان بغاوتوں کی وجہ بیان کی گئی ہے اس وقت نوجوان بادشاہ پیر محمد کے

علماء وفضلا کے ساتھ گفتگو اور اولیاؤں کے مزاروں کی زیارت کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ اور حکومت کے کاروبار کی طرف کامل توجہ مبذول نہ فرمائی تھی لیکن ساتھ ہی یہ بھی یاد رہے کہ جب بغاوت کی خبر سنتا تھا تو اس زور شور بجلی اور بادل کی طرح کڑکتا گرجتا جاتا تھا کہ دشمن اسکی ناگہانی آمد سے حراساں ہوکر بیدست وپا ہوجاتے تھے۔ یہ یلغارین بابری بلکہ تیموری وچنگیزی خون کے جوش تھے کہ اکبر پر ختم ہو گئے اسکے بعد کسی بادشاہ کے دماغ میں ان باتوں کی بو بھی نہ رہی۔ امرا فوجیں لیکر بادشاہ کے نام پر لڑنے لگے اور اس سے طبعاً انتظام اور رعب داب میں فرق آگیا۔ اور آخر سلطنت مغلیہ خاک میں مل گئی۔

اکبر کی ذہنی ترقی

اکبر ناخواندہ یا اُمی تھا۔ وہ لکھ پڑھ نہ سکتا تھا۔ اور بیشک بچپن سے اس نے اس طرح زندگی بسر کی تھی کہ باقاعدہ تعلیم پانا محالات سے تھا۔ ابھی چند ماہ کا سن تھا کہ والدین اُسکو شمس الدین اتکہ خاں وغیرہ کے سپرد کرکے ایران چلے گئے جب ہمایوں کابل پر قابض ہوا۔ تو مولانا اعظم الدین کو اسکا اتالیق مقرر کیا۔ لیکن بسم اللہ کے روز اکبر روپوش ہوگیا۔ جس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ وہ باقاعدہ تعلیم سے محروم رہیگا اور جودت طبع اور ذہانت خداداد سے انسانی معاملات کو انجام دیگا۔ الغرض اکبر نے اپنے استاد سے کچھ حاصل نہ کیا۔ بعد ازاں بایزید اتالیق مقرر ہوئے۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ انہوں نے کیا سکھایا۔ گو اکبر نے نوشت وخواند میں کوئی معتدبہ بلکہ ادنےٰ درجے کی لیاقت بھی حاصل نہیں کی۔ مگر وہ حکمرانی اور جہانبانی کی ضروریات سے بخوبی آگاہ اور واقف تھا۔ منعم خان کے زیر نظر اس نے وہ باتیں اور ادب سیکھے جو بادشاہوں میں ہونے چاہئیں۔ مثلاً آداب مجلس۔ شائستگی۔ اسلحہ حرب کا استعمال شہسواری۔ تیر اندازی اور نیزہ بازی۔ شمشیر زنی اور بندوق چلانا وغیرہ وغیرہ۔ الغرض اکبر تو تعلیم سے محروم رہا۔ لیکن دماغی تربیت اور نشوونما میں اعلےٰ درجہ کی ترقی کر گیا۔ منعم خان سے خود ایک اعلےٰ درجہ کا تعلیم یافتہ۔ مہذب زمانہ شناس اور واقفکار شخص تھا۔ اتالیقی کے زمانہ میں اکبر کو نہ صرف حکمرانی کے اصول وقواعد اور آداب مجلس

اور شائستگی و تہذیب میں یکتا کر دیا۔ بلکہ اسکے دل علم وفضیلت اور علما کی محبت پیدا کر دی اور جنگی اور ملکی تدابیر میں اپنی مثال سے ذہن نشین کر دیا کہ بادشاہ کو کن کن باتوں کو ترک اور کن کو اختیار کرنا چاہیئے بیرم خان کی وزارت کے زمانہ میں دربار میں ملک ملک کے علما مشائخ اور صاحب کمال جمع ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک عالم میر عبدالطیف قزوینی جلوس کے سال دوم میں اکبر کا اتالیق مقرر ہوا۔ اکبر نوشت وخواند سے تو بے بہرہ تھا۔ اب مہائم سلطنت میں مشغولیت کی وجہ سے کتب خوانی سے تو محروم رہا لیکن جب اسکا استاد حافظ کی غزلیں پڑھتا تھا وہ بھی زبانی پڑھتا تھا۔ اور اسکو بہت سی غزلیں حفظ ہو گئی تھیں۔ علاوہ بریں یہ اتالیق آزاد خیال اور صلح کل بھی تھا اور اکبر کے دل پر اسکی مثال کا بہت اثر ہوا ہو گا۔

اب اکبر کے ابتدائی مذہب کا حال سُنئے۔ اٹھارہ بیس برس تک اسکا یہ حال تھا کہ جسطرح سیدھے سادے خوش اعتقاد مسلمان ہوتے ہیں۔ اسی طرح احکام شرع کو ادب کے کانوں سے سُنتا تھا۔ اور صدق دل سے بجا لاتا تھا۔ جماعت سے نماز پڑھتا تھا آپ اذان کہتا تھا۔ مسجد میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتا تھا۔ علما وفضلا کی نہایت تعظیم کرتا تھا۔ انکے گھر جاتا تھا۔ بعض کے سامنے کبھی کبھی جوتیاں سیدھی کر کے رکھدیتا تھا۔ مقدمات سلطنت شریعت کے فتوے سے فیصلے ہوتے تھے۔ جابجا قاضی و مفتی مقرر تھے۔ فقرا و مشائخ کے ساتھ کمال اعتقاد سے پیش آتا تھا۔ اور انکی برکت انفاس سے اپنے کاروبار میں فیض حاصل کرتا تھا۔

درگاہوں کی زیارت کو جاتا تھا۔ اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ کی سال بہ سال زیارت کرتا تھا۔ بعض اوقات منت پوری کرنے کے خیال سے فتح پور یا آگرے سے اجمیر تک پیادہ پا گیا۔ ہزاروں لاکھوں کے چڑھاوے اور نذریں چڑھاتا تھا۔ پہروں صدق دل سے مراقبے میں بیٹھتا اور دل کی مُرادیں مانگتا تھا۔ یا ہادی یا معین کا وظیفہ ورد زبان ہوتا تھا۔ لڑائیوں میں یا معین یا ہادی کا نعرہ بلند کرتا اور دشمن پر جا گرتا۔ اُسکو شمرن کہتا تھا۔ اور کہتا ہاں شمرن بیدار باد۔

اسکے بعد جب اسکے دماغی ترقی کا اس سے اعلی مرحلہ آیا۔ اور علمی و مذہبی تحقیقات کا شوق ہوا تو عبادت خانہ یا چار ایوان تعمیر کر دیا۔ اور ملک ملک کے علما وفضلا

اور مشائخ مذہب کے پیشوا اور آئمہ کو بلوایا۔ اور نہایت شوق اور توجہ سے مذہبی مباحثے سننے لگا۔ لیکن جب دنیا کے مذاہب کے اختلاف اور بالخصوص ہر ایک مذہب کے فرقوں کی معاندت۔ فرق اور اختلاف کو دیکھا تو مذہب سے جی بالکل کھٹا ہو گیا اور مصلحت ملکی اور مسلمانوں و ہندوؤں کو شیر و شکر کرنیکے خیال سے اپنا مذہب نکالا اور اسکا نام دین الٰہی اکبر شاہی رکھا۔ لیکن اسکے متعدد پیرو ہوئے۔ آخیر عمر میں قدرتی آفات و مصائب سے اسکے دل میں تغیر عظیم واقع ہوا۔ اور اپنے گناہوں اور بالخصوص الحاد (ایجاد مذہب) سے بظاہر تائب ہو کر مسلمان ہو گیا۔ بعض مورخوں نے اسکی توبہ کو نصوص اور صادق تسلیم کیا ہے۔ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ یہ توبہ بھی کسی مصلحت پر مبنی ہوگی۔

ہندوؤں سے اپناہت اور چتوڑ کی فتح

اکبر کو اپنے آباو اجداد کی تاریخ اور ذاتی تجربہ سے جیسا کہ علی قلی خان خانزماں اور دیگر مسلمان امرا کی بغاوتوں سے واضح ہوتا ہے۔ بخوبی ثابت ہو گیا تھا کہ جبتک ہندوؤں کے ساتھ اپناہت پیدا نہ کی جائیگی۔ سلطنت کو استحکام نہ ہوگا۔ جب ہمایوں بادشاہ ایران میں گیا۔ اور شاہ طہماسپ سے ملاقات ہوئی تو ایک دن دونوں بادشاہ شکار کو نکلے۔ راستہ کی کوفت سے تھک کر ایک مقام پر اتر پڑے۔ شاہی فراش نے اٹھ کر غالیچہ ڈال دیا۔ شاہ بیٹھ گئے۔ ہمایوں کے ایک زانو کے نیچے فرش نہ تھا اس عرصے میں کہ شاہ اٹھیں اور غالیچہ کھول کر بچھایا جائے ہمایوں کے جاں نثار بیرم خاں نے جھٹ اپنے تیردان کا کارچوبی غلاف چھری سے چاک کیا۔ اور اپنے بادشاہ کے نیچے بچھا دیا۔ شاہ طہماسپ کو اس کی یہ پھرتی اور ہوا خواہی پسند آئی۔ اور کہا برادر ہمایوں! تمہارے ساتھ ایسے ایسے جاں نثار نمک حلال تھے اور پھر ملک اس طرح ہاتھ سے نکل گیا اسکا سبب کیا ہے۔ ہمایوں نے جواب دیا۔ بھائیوں کے حسد اور عداوت نے کام بگاڑ دیا۔ تنخوادار نوکر ایک آقا کے بیٹے سمجھ کر کبھی ادھر ہو جاتے تھے کبھی ادھر۔ شاہ نے لما ملک کے لوگوں نے رفاقت نہ کی۔ ہمایوں نے کہا کہ کل رعایا غیر قوم غیر مذہب ہیں اور خود ملک کے اصلی مالک ہیں۔ ان سے رفاقت ممکن

نہیں۔ شاہ نے کہا ہندوستان میں دو فرقے کے لوگ بہت ہیں۔ ایک افغان دوسرے راجپوت۔ خدا کی مدد شامل حال ہوا ایک دفعہ وہاں پہنچو تو افغانوں کو تجارت میں ڈالدو۔ اور راجپوتوں کو دلاسا و محبت کے ساتھ شریک حال کرو۔

ہمایوں خود اس مشورہ کے مضمون پر طبعی جوش سے عمل کرنیکا اقدام کر چکا تھا یعنے ہندوستان سے فرار ہونے سے پیشتر کرناوتی اودے سنگھ والئے میواڑ کی ماں نے بہادر شاہ گجراتی کے خلاف ہمایوں سے امداد طلب کی تھی۔ ہمایوں اس بیکس عورت کی امداد کے واسطے روانہ ہوا لیکن راستہ میں ہی تھا کہ بہادر شاہ کام کر چکا تھا۔ اس نے چتوڑ کو دھاوا کر کے فتح کیا۔ تمام مرد معرکہ میں کام آئے۔ اور کرناوتی اور دیگر رانیاں اور شریف زادیاں چتا میں بیٹھ کر جل گئیں۔ ہمایوں کو مذکورہ بالا مشورہ پر کاربند ہونیکی مہلت نہ ملی۔ مگر اکبر جو باوجود ان پڑھ ہونے کے تواریخ اور بالخصوص مغلیہ خاندان کے کارناموں اور روایات سے بخوبی واقف تھا۔ اسکو ہر وقت یاد رکھتا تھا۔ اور اب ضروریات سلطنت سے اسکے معرض عمل میں لانیکی از سر نو تحریک ہوئی۔ جلوس کے پہلے سال میں (۹۶۳ھ) دربار اکبری سے مجنوں خاں قاقشال نارنول پر حاکم ہو کر گیا۔ حاجی خاں شیر خاں کا غلام مجنوں خاں پر چڑھ آیا۔ راجہ بہاری مل راجہ آبنیر کہ اسوقت کچھواہہ خاندان کا چراغ روشن کرنے والا تھا۔ حاجی خان کے ساتھ۔ مجنوں خان محصور ہو گیا جب اسکا قافیہ تنگ ہوا۔ تو راجہ لکن سال جو بامروت اور بات کے نشیب و فراز انجام و آغاز کو خوب سمجھتا تھا۔ اس نے صلح کر کے مجنوں خان کو محاصرہ سے نکلوایا [illegible] خاں جب دربار میں پہنچا تو راجہ کی محبت۔ مروت۔ اخلاص۔ عالی ہمتی۔ [illegible] خاندان کے حالات اکبر کے سامنے بیان کئے۔ دربار سے ایک [illegible] طلب لیکر گیا۔ راجہ معقول سامان کے ساتھ دربار میں حاضر ہوا۔ [illegible] ہیمو کی مہم مار کر دلی آیا ہوا تھا۔ چنانچہ راجہ کی بڑی عزت اور خاطرداری کی۔ [illegible] شرف الدین حسین حاکم میوات نے اکبر سے خود سر ہو کر آبنیر کو [illegible] چاہا اکبر نے راجہ بہاری مل کی مدد کی۔ اس سے تعلقات اور بھی قریب اور مضبوط و پختہ [illegible] ہوئے۔ چند روز بعد راجہ بھگوانداس راجہ مذکور کا بیٹا اور مان سنگھ

اسکا پوتا بھی دربار میں حاضر ہوئے۔ اور اکبر کی خدمت میں رہنے لگے اکبر نے اس خاندان
کی نیک نیت اور اخلاص و محبت دیکھ کر سوچا کہ انکے ساتھ قرابت ہو جائے تو بہت
خوب ہو۔ آخر ۹۶۹ھ میں راجہ بہاری مل کی بیٹی مان سنگھ کی پھوپھی بیگمات اکبری
میں داخل ہو کر محل کا سنگار ہو گئی۔ شہزادہ سلیم غالباً اسی بی بی کے بطن سے تھا۔ راجہ
بہاری مل کو منصب پنجہزاری عطا ہوا۔ اور بھگوانداس امیر الامرا کے خطاب سے پنجاب
کا حاکم مقرر ہوا۔ مان سنگھ بادشاہ کے ہاں نہایت عمدہ سپہ سالار تھا منصب ہفت ہزاری
پر سرفراز ہوا۔ اکبر رانائے میواڑ کے ساتھ جو مشہور رانا سانگا کا بیٹا تھا۔ قرابت داری
قائم کرنا چاہتا تھا مگر یہ زبردست اور مشہور رانا اس بات پر نازاں تھا کہ ہمارے
خاندان نے مسلمانوں کے ساتھ قرابت داری اور زوجیت کا سلسلہ قائم کرکے
اپنے خون کو داغدار نہیں کیا۔ میواڑ پر چڑھائی کرنیکی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ رانا نے
محمد سلطان مرزا (جو تیمور کے دوسرے بیٹے کی اولاد میں سے تھا) کے بیٹوں۔ ابراہیم
حسین مرزا۔ محمد حسین مرزا۔ مسعود حسین مرزا۔ اور اقبال حسین مرزا اور ان کے
دو بھتیجوں الغ مرزا اور شاہ مرزا کو اکبر کے برخلاف علانیہ مدد دی تھی۔ چنانچہ ان
مرزوں نے اجین پر قبضہ کر لیا۔ اکبر نے ان مفسدوں کی گوشمالی کرنے سے پہلے
اودے سنگھ رانائے میواڑ کو راہ راست پر لانیکا مصمم ارادہ کیا۔ میواڑ پر فوج کشی
کرنے سے پیشتر اکبر حسب معمول شکار کو نکلا۔ اور اس میں بڑے بڑے سرداروں
اور انکی افواج کو بلایا۔ اس شکاری مہم میں اودے سنگھ کا ایک بیٹا سکت بھی
شریک تھا۔ ایک روز بادشاہ نے اسکو ازراہ تمسخر کہا۔ کہ تمہارے والد نے
ہمکو بادشاہ ہندوستان تسلیم نہیں کیا۔ اور ہمیں اس کی تعویق سے مجبوراً اس پر
چڑھائی کرنی پڑیگی۔ سکت تم اس معاملہ میں ہماری کہاں تک امداد کروگے
سکت نے جواب دیا تو یہ کہ شاہی لشکر گاہ سے فرار ہو گیا۔ اور اپنے باپ کو فوراً
خبر کر دی۔ جس نے خبردار ہو کر جنگ کی تیاریاں کیں۔ اس واقعہ سے اکبر نے بھی
غیر معمولی سرعت کے ساتھ چڑھائی شروع کی۔

اکبر نے پہلے سوپر کا رخ کیا۔ اس میں والئے رنتھنبور کی فوج کا ایک دستہ تھا
یہ فوج آمد آمد کی خبر سنکر دُم دبا بھاگی۔ شاہی فوج قلعہ پر قابض ہو گئی۔ یہاں

رسد بہم پہنچانیکا انتظام کیا گیا۔ دو روز بعد اکبر نے قلعہ کو نذر بہادر کے سپرد کیا اور خود کوٹہ کو چلے۔ اس قلعہ پر محمد خاں قندھاری گورنر مقرر کر کے گاگروں کی طرف باگ پھیری۔ یہ قلعہ سرحد مالوہ پر واقع ہے۔ اس مقام سے شہاب الدین احمد اور دیگر سرداروں کے ماتحت محمد سلطان مرزا کے سرکش بیٹوں کی سرکوبی کے واسطے فوجیں روانہ کی گئیں۔ الغ مرزا مر گیا اور بقیۃ السیف مرزے چنگیز خان والئے گجرات کے پناہ گزین ہوئے۔

نالائق اور بے ہمت اودے سنگھ پہاڑوں میں گھس گیا۔ اور قلعہ کا انتظام مشہور سردار جیمل سنگھ کے سپرد کر گیا۔ جسکی جوانمردی اور بہادری کے کارنامے آجتک زبان زد ہیں۔ اکبر نے قلعہ چتوڑ کا محاصرہ کیا۔ اور جب دیکھا کہ اسکا توپوں سے فتح کرنا ممکن نہیں، تو اسکو سرنگوں سے اُڑانیکی تجویز کی۔ ایک سرنگ کا انتظام بادشاہ نے اپنے اہتمام میں رکھا۔ دوسری کا راجہ ٹوڈرمل اور ایک اور امیر کے سپرد ہوا۔ نہایت دقتوں اور بیشمار روپیہ اور جانوں کے نقصان سے یہ سرنگیں تیار ہوئیں مگر ایک ذراسی غلطی سے کام بگڑ گیا۔ سرنگوں کو ایک ساتھ آگ دکھائی گئی۔ مگر ایک کی بتی ذرا لمبی تھی۔ دوسری کی کسی قدر چھوٹی۔ پہلے ایک سرنگ اُڑی جس سے قلعے کا ایک برج محافظوں سمیت اُڑ گیا۔ اور فصیل قلعہ میں ایک بڑا سا سوراخ ہو گیا۔ شاہی فوج کے جوانمردوں نے دوسری سرنگ کے اڑانیکا انتظار کئے بغیر اس سوراخ پر حملہ کر دیا۔ ادھر وہ حملہ میں مشغول ہوئے تھے کہ دوسری سرنگ بھی بھبکی۔ اور اس کے سامنے کا برج جو فوج شاہی اور دشمنوں کی جمعیت سے اٹا پڑا تھا اور ایسے میں اُڑ گیا۔ تین تین چار چار کوس تک برج کے بھاری بھاری پتھروں کے گرنے سے بہت سے جوانمرد مارے گئے۔ اہل قلعہ بھی مایوسانہ وار حملہ کرتے رہے۔ غرض ہندو کیا مسلمان دونوں کے واسطے روز محشر کا نمونہ تھا۔ اکبری سپاہ کے پانسو کے قریب سپاہی کھیت رہے۔ ہاں انہوں نے راتوں رات دیوار کو پھر نئے سرے سے اٹھا کر درست کر لیا اور تازہ دم لڑائی کے واسطے تیار ہو گئے۔ اس واقعہ سے محصورین کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور محاصرے نے طول کھینچا۔ چھ مہینے کے بعد پھر فصیل میں سوراخ ہوا تو جیمل کا منہ نظر آیا۔ بادشاہ نے گو اسکو معلوم نہ تھا کہ یہی جیمل ہے

بندوق کے نشانہ سے اسکا کام تمام کر دیا۔ اہل قلعہ فی الفور دُم دبا کر بھاگ نکلے۔ اور قلعہ مسخر ہوگیا۔ ٹوڈرمل نے اس محاصرہ میں کمال استقلال اور مستعدی سے کام لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ اور قاسم خاں اپنی سرنگ کے تیار کرنے میں ایک دن اور دو راتوں تک ایسے منہمک رہے نہ سوئے اور نہ کچھ کھایا۔ مگر پھر بھی راجہ اودے سنگھ نہ دربار میں آیا نہ اطاعت پر راضی ہوا۔ اس نے پیچ در پیچ گھاٹیوں کے جال میں اپنے نام پر اودے پور آباد کیا۔ عرصہ دراز تک بدنامی اور بے لیاقتی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ قوم کی عزت برباد اور بنیاد مملکت کو ضعیف کرتا رہا۔ مگر اکبر کے ساتھ قرابت اور ناطہ کرنے پر راضی نہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ تسخیر چتوڑ میں آٹھ ہزار راجپوت سپاہی اور تیس ہزار شہر و دیہات کے باشندے کھیت رہے و رانیاں۔ پانچ شہزادیاں۔ دو معصوم شہزادے۔ بہت سے سپہ سالاروں اور معزز راجپوتوں کی بیبیاں چتا پر چڑھ کر مرگئیں۔ چتوڑ کا محاصرہ ۲۳ اکتوبر ۱۵۶۷ء کو شروع ہوا۔ اور ۲۴ فروری ۱۵۶۸ء کو کامیابی سے ختم ہوا۔

رانا نے چتوڑ پہاڑوں میں روپوش ہوگیا۔ تو اس کا تعاقب نہ کیا گیا۔ لیکن ابھی دو اور مضبوط قلعے فتح کرنے تھے ان میں سے ایک قلعہ رنتھنبور تھا۔ جو اجمیر سے ۱۱۵ میل کے فاصلے پر تھا۔ اور دوسرا کالنجر جو بندھیلکھنڈ کے جنوب مشرقی گوشہ میں کوہستان بندھیاچل کے دامن میں واقع تھا۔ قلعہ رنتھنبور ایک پہاڑ کی دھار پر واقع تھا۔ اس کے سر کرنے کے واسطے دمدمے بنانے نہایت ضروری تھے۔ چنانچہ ان کا اہتمام ٹوڈرمل کے سپرد ہوا۔ بلند مقامات پر توپیں چڑھا کر قلعہ پر ایسی دھواں دھار آتش باری کی گئی۔ کہ قلعہ کا سردار راجہ رائے سرجن مطیع ہوگیا اور دربار شاہی میں حاضر ہو کر قلعہ کی کنجیاں حوالے کیں۔ یہ واقع ۲۲ مارچ ۱۵۶۹ء کا ہے۔

رنتھنبور کی جانب روانہ ہونے کے وقت بادشاہ نے مجنوں خاں قاقشال کو لشکر جرار کے ساتھ کالنجر کے فتح کے لئے روانہ کیا تھا۔ یہاں کا سپہ سالار راجہ رام چند

۱۔ دیکھو سوانح عمری راجہ ٹوڈرمل (مؤلف)

بگھیلا تھا۔ وہ ایک صلح پسند آدمی تھا۔ چنانچہ اکبر کے ایما سے اس نے اپنے گوّیے تان سین کو آگرہ میں بھیج دیا تھا۔ گو یہ قلعہ بہت مشکل اور ناقابل تسخیر تھا۔ مگر اکبری اقبال کے سامنے اس کی کیا بساط تھی۔ راجہ چتوڑ کے حالات سن چکا تھا۔ ایک روز کے محاصرہ کے بعد ۱۲ اگست ۱۵۶۹ء کو مطیع ہو گیا اور اس کے تحائف قبول ہوئے۔

جب چتوڑ کا راجہ جو تمام راجوں کی ناک خیال کیا جاتا تھا۔ اپنا قلعہ چھوڑ جنگلوں اور پہاڑوں میں آوارہ ہو گیا۔ اور اسکا قلعہ شاہی افواج کے قبضہ میں ہو گیا تو تمام چھوٹے بڑے راجاؤں کو عبرت ہوئی۔ چنانچہ جودھپور کے راجہ نے اپنے بیٹے چندر سین کو ناگور میں اظہار اطاعت و عبودیت کے لئے بھیجا۔ اور بیکانیر کا راجہ کلیان مل اور اسکا بیٹا رائے سنگھ بھی حاضر خدمت ہوئے۔ اس کی بیٹی حرم اکبری میں داخل ہوئی۔ اور اسکا بیٹا شاہی ملازمت میں شامل ہوا۔ بہار کی ایک چھوٹی سی ریاست بلھی کے راجا نے اکبر کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا۔ غرض اکبر کو اپنے اس ارادہ میں کہ ہندوؤں کے ساتھ اپنائیت اور رشتہ داری قائم کرکے حسب توقع کامیابی ہوئی۔ اور سلطنت بھی بہت کچھ وسیع ہو گئی۔

اکبر کی ان مہموں سے بہت سے راجپوتوں کا بیحد نقصان ہوا۔ لیکن فی الجملہ اس نے ہندوؤں کی اشک شوئی کر دی۔ اکثر اہل ہنود بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز تھے جلوس کے تھوڑا عرصہ بعد مہیش داس المعروف راجہ بیربر (بیربل) جو کالپی کا ایک مفلس برہمن اور لطائف و ظرائف اور حاضر جوابی میں مشہور تھا۔ دربار میں حاضر ہوا اکبر اسکے ساتھ بہت محبت اور اخلاق سے پیش آیا۔ اور تھوڑے دنوں میں اکبری نورتن میں شامل کیا گیا۔ بادشاہ اس کی خاص طور پر رعایت کرتے تھے۔ بعدازاں اسکو نگرکوٹ کی جاگیر اور راجہ بیربر کا خطاب عطا ہوا۔ ایک مشہور گویا میاں تان سین بھی دربار میں بلایا گیا اور اسکو انعام و اکرام سے مالامال کر دیا۔ اکبر کا عام اصول یہ تھا کہ جو راجہ یا بادشاہ یا سپہ سالار کیا ہندو کیا مسلمان شکست کھا کر بادشاہ کی اطاعت و وفاداری منظور کرتا تھا۔ وہ مورد عنایات و مراحم سلطانی ہو کر یا تو دربار شاہی میں جگہ پاتا یا کسی صوبے کا حاکم مقرر کیا جاتا۔ اور اس اصول سے زیادہ تر ہندوؤں نے ہی فائدہ اٹھایا۔

مولانا آزاد اسی مضمون پر دربار اکبری میں اپنی معمولی شوخ اور رنگین کلام میں تحریر کرتے ہیں۔ جب ملک گیری نے بہت سے معرکے طے کر دئے۔ اور رونق اور زیبائی کو اس کے دربار سجانے کا موقع ملا ہزاروں راجہ۔ مہاراجہ۔ ٹھاکر۔ سردار حاضر ہونے لگے۔ درباران جواہر کی پتلیوں سے جگمگا اُٹھا۔ عالی ہمت بادشاہ نے ان کے اعزاز و مدارج کا بڑا لحاظ رکھا۔ اخلاق کا پتلا تھا۔ ملنساری اسکی طبیعت میں داخل تھی۔ ان سے اس طرح پیش آیا کہ سب کو آیندہ کے لئے بڑی بڑی امیدیں ہوئیں۔ بلکہ جوان کا متوسل ہوکر آیا۔ اس سے اس طرح پیش آیا کہ ایک عالم ادھر کو جھک پڑا۔ پنڈت۔ کیشر۔ گنی گنوان ہندوستان کے جو آئے اس طرح خوش نکلے کہ شاید اپنے راجاؤں کے دربار سے بھی اس طرح نہ نکلتے ہونگے۔ ساتھ ہی یہ بھی سب کو معلوم ہوگیا کہ یہ برتاؤ اس کا ہمارے پھسلانے کے لئے نہیں۔ اسکا مطلب یہی ہے کہ ہمکو اپنا کرے۔ اور ہمارا ہورہے اور اس کی سخاوتیں اور دن رات کے کاروبار اور اپنا ہٹ کے برتاؤ اس خیال کی تصدیق کرتے تھے۔

نوبت یہانتک پہنچی کہ ہمقوم اور غیر قوم کا فرق اصلاً نہ رہا۔ سپہ داری اور ملک داری کے جلیل القدر عہدے ترکوں کے برابر ہندؤں کو ملنے لگے۔ دربار کی صف میں ایک ہندو مسلمان۔ دو مسلمان ایک ہندو برابر نظر آنے لگے۔ راجپوتوں کی محبت ان کی ہر بات کو بلکہ ریت رسوم اور لباس کو بھی اسکی آنکھوں میں خوشنما دکھانے لگے۔ چغے اور عمامہ کو اتار جامہ اور کھڑکی دار پگڑی اختیار کر لی تو داڑھی کو رخصت کر دیا تخت و دیہیم کو چھوڑ کر سنگھاسن پر بیٹھنے اور ہاتھی پر چڑھنے لگا۔ فرش فروش اور دربار کے سامان آرائیش سب ہندوانے ہونے لگے۔ ... ... پان گلوری دربار کا لازمی سنگار ہوگیا!! ایرانی اور ہندوانی ریت سے شمسی و قمری دو سالگرہ کرتے تھے۔ ان میں تلاوان کرتے تھے۔ غرض ہندوؤں کی تالیف قلوب کے واسطے اسلامی۔ اور ایرانی رسوم بلکہ مذہب سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔

شیخ فیضی باریاب ہوتے ہیں

ابوالفضل کے بڑے بھائی شیخ ابوالفیض جو فیضی تخلص کرتے تھے اور باوجود والدین کی تنگدستی اور مصیبت کے ان کی شاعری کا چرچا ہونے لگا تھا۔ اسی محاربہ میں شاہی ملازمت میں داخل ہوئے۔ بادشاہی لشکر نے چتوڑ پر علم اٹھائے تھے جو کسی تقریب سے دربار میں انکا ذکر ہوا۔ کمال کے جوہری کو جوہر کے شوق نے ایسا بیقرار کیا کہ فوراً طلب فرمایا۔ کہ فتح چتوڑ کا قصیدہ کہے فیضی بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئے۔ تو حضور جس بارگاہ میں تھے۔ اسکے گرد جالی کا کٹہرا تھا۔ انہیں باہر کھڑا کیا۔ یہ سمجھے کہ اس طرح کلام کا مزہ نہ آئیگا۔ اسی وقت قطعہ پڑھا۔

بادشاہا بیرون پنجرہ ام   از سر لطف خود مرا جا بدہ

زانکہ من طوطی شکر خائم   جائے طوطی درون پنجرہ بہ

اکبر اس حاضر کلامی سے بہت خوش ہوا۔ اور پاس آنیکی اجازت دی۔ جو قصیدہ اول دربار میں پڑھا تھا اسکا مطلع یہ ہے ؎

سحر نوید رسال قاصد سلیمانی   رسید ہمچو سعادت کشادہ پیشانی

رفتہ رفتہ اس بلند خیال شاعر نے اپنی شگفتہ بیانی۔ دانش خداداد اور فراخ دلی سے بادشاہ کے دل میں ایسا گھر کر لیا۔ کہ درجہ مصاحبت تک پہنچ گیا۔ اور آخر ملک الشعرا کا خطاب حاصل کیا۔ ×

اکبر کی تیسری یلغار گجرات پر

اکبر کو ملک گجرات پر ایک طرح سے موروثی حق حاصل تھا کیونکہ ہمایوں بادشاہ دلئے گجرات سے قلعہ چانپانیر فتح کر کے قریباً ۹ ماہ تک اس علاقہ پر قابض رہا تھا پٹھانوں اور مغلوں کی لڑائیوں کے دوران میں گجرات پھر باغی ہوگیا بہادر کے بعد محمود ثانی تخت گجرات پر متمکن ہوا جسکو اس کے ایک غلام برہان نے قتل کر ڈالا اسکے جانشین احمد ثانی کو اعتماد خان نے جو اسکا سرپرست اور اوائل میں [illegible] غلام تھا۔ برطرف کر دیا۔ اس کے بعد ایک لڑکا [illegible] کے [illegible] میں اعتماد خان

نے قرآن شریف پر حلف اُٹھایا تھا کہ وہ محمود ثانی کا بیٹا ہے۔ مظفر ثالث کے لقب سے تخت نشین ہُوا۔ اس لڑکے کی نابالغی کے زمانہ میں امرا خود بھی لڑتے جھگڑتے تھے۔ اور وہ خود مداخلت دیتا تھا تو لڑائی اور بھی تیز ہو جاتی تھی۔ چنگیز خان نے جو پہلے ترکی غلام تھا۔ اور بعد ازاں چانپانیر۔ بڑودچ اور سورت پر قابض ہو گیا اور جس نے مرزا محمد سلطان وغیرہ کو امداد دی تھی۔ اعتماد خان کو مظفر خاں کی حمائیت چھوڑنے پر مجبور کیا۔ مگر چنگیز خاں تھوڑے روز بعد اپنے دو رقیبوں کے ہاتھوں قتل ہُوا۔ مرزا محمد سلطان اور اس کے بیٹوں اور بھتیجوں نے چنگیز خاں کی جاگیر پر قبضہ کرنیکی ٹھانی۔ اور تھوڑے دنوں میں چانپانیر۔ بڑودچ اور سورت پر تصرف کر کے گجرات کے معاملات میں دخیل ہو گئے۔ مظفر خاں اعتماد خان سے بدگمان ہو گیا۔ اور ایک اور امیر شیر خان فولادی کو مقرب خاص بنا کر اعتماد خان کو گجرات سے خارج کر دیا۔ اعتماد خان نے خاندان مرزا سے ساز باز کر لی۔ اور ساتھ ہی اکبر کو لکھ بھیجا کہ آپ آئیں اور اس ملک پر قابض ہو جائیں۔

اکبر ۲ جولائی ۱۵۷۲ء (صفر ۹۸۰ھ) کو فتح پور سیکری سے روانہ ہوا۔ اور ۲۶ کو اجمیر میں معین الدین چشتی کی خانقاہ کی زیارت کی۔ اجمیر سے خان قلان (سپہ سالار) میر محمد خاں اتکہ دس ہزار فوج سواران لیکر ناگور پہنچا۔ اور پیچھے سے اکبر بھی آن ملا دیگر مسلمان اور ہندو سردار اور راجے بھی اکبر کے ہمراہ تھے۔ راستہ میں راجپوت سپاہیوں کی فوجوں سے چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آخر فوج ظفر موج نہروالہ (پٹن) میں پہنچی۔ لیکن اس سے پیشتر راجہ سروہی کو مطیع کر چکی تھی۔ جسکے سفیر نے سپہ سالار کا خنجر سے کام تمام کر دیا تھا۔ راجہ بیکانیر کے بیٹے رائے رائے سنگھ کو گجرات کا راستہ صاف رکھنے پر مامور کیا گیا۔ راجہ مان سنگھ کو شیر خان فولادی کی گرفتاری پر تعینات کیا گیا۔ پٹن کی جاگیر عبدالرحمن پسر بیرم خان کو عطا ہوئی۔ احمد آباد کے قریب پہنچے تو پرچہ لگا کہ مظفر شاہ اور شیر خاں فولادی شاہی فوج سے سراسیمہ اور ہراساں ہو کر بھاگ نکلے ہیں۔

اکبر نے حکم دیا کہ شاہ مفرور کو گرفتار کر لاؤ۔ تعاقب کنندوں نے شاہی چتر اور شامیانہ ایک کھیت کے پاس پڑے ہوئے نظر آئے۔ مظفر شاہ خود بھی اس

کھیت میں چھپا ہوا بیٹھا تھا۔ تلاش کرکے پکڑ لیا گیا۔ اکبر نے اس بدقسمت نوجوان کے حال پر رحم کیا۔ اور اسکو بطور مہمان کے آگرہ میں بھیجدیا۔ اس طرح اکبر کا سکہ گجرات پر بیٹھ گیا۔ اعتماد خاں نے بھی اظہار اطاعت و عبودیت کیا۔ آخر اکبر احمد آباد میں پہنچا۔ اور اسکا سکہ و خطبہ جاری ہوگیا۔ مرزا عزیز کو کہ دریائے مہندری کے دائیں کنارے پر ایک جاگیر اور شہر احمد آباد کی گورنری عطا ہوئی۔ اضلاع بڑوچ۔ چانپانیر اور سورت گجراتی سرداروں کے تفویض ہوئے۔ اور اعتماد خاں کو ان سب کا اعلیٰ منتظم مقرر کیا گیا۔ ۹ دسمبر ۱۵۷۲ء کو اکبر ساحل بحر کی سیر کے واسطے کمبایت کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں خبر ملی کہ اعتماد خاں اور اُس کے معاون (بالخصوص اختیار الملک) جادہ وفا سے منحرف ہوا چاہتا ہے۔ شہباز خاں نے باغیوں کو گرفتار کرکے کمبایت پہنچادیا۔ کمبایت سے ساحل بحر پر پہنچے۔ بادشاہ ایک کشتی پر سوار ہوکر چند گھنٹوں تک سمندر کی سیر دیکھتے رہے۔ خان عالم اور چند اور نبرد آزما افسر سورت میں محمد مرزا کو جادہ اطاعت پر لانیکے لئے روانہ کئے گئے۔ لیکن ساتھ ہی خبر پہنچی کہ ابراہیم حسین مرزا نے ایک شاہی سردار رستم خاں رومی کو قتل کردیا ہے۔ بادشاہ غیض و غضب میں آکر خود بھی سرکشوں کی سرکوبی کے لئے چل پڑے ابراہیم حسین مرزا ۲ ہزار سپاہ کے ساتھ سرنال سے نکلکر ایک پہاڑی کے عقب میں ڈٹ گیا۔ اکبر کی جمعیت میں صرف سو ڈیڑھ سو سپاہی تھے۔ مگر بادشاہ نہایت جوانمردی اور ہمت سے دشمنوں پر ٹوٹ پڑا۔ محمد خان بارہ۔ بھگوانداس۔ مان سنگھ راجہ سرجن کے بیٹے بھوج نے بڑھ بڑھکر شجاعت کے جوہر دکھائے۔ مرزا مفرور ہوگیا اور فتحیاب سرنال میں داخل ہوئے بادشاہ نے اپنے وفاداروں کو انعام و اکرام سے مالا مال کردیا۔

۲۶ فروری ۱۵۷۳ء (شوال ۹۸۰ھ) کو سورت کا محاصرہ کیا گیا۔ اور تھوڑے روز کے بعد فتح ہوگیا۔ سورت کا انتظام کالدش خان کے سپرد ہوا۔ اور لشکر منصور احمد آباد کی طرف واپس آیا۔ اس اثناء میں شاہ مرزا۔ محمد حسین مرزا اور ابراہیم مرزا نے پھر علم بغاوت بلند کردیا تھا۔ ابراہیم مرزا نے محمد حسین مرزا کو اسکی ناکامی پر ملامت کی جس سے وہ ناراض ہوکر اپنے چھوٹے بھائی مسعود خان کے ساتھ شریک ہوکر آگرہ پر چڑھ گیا۔ شاہ مرزا اور ابراہیم مرزا نے پٹن کا محاصرہ کرلیا۔ اس کے گورنر سید احمد خان

بارہ نے بادشاہ سے جو اسوقت سورت میں تھا کمک مانگی۔ اکبر نے مرزا عزیز کوکہ۔ جاگیرداران مالوہ۔ رسائن اور چندیری اور دیگر مقامات کے راجاؤں اور سرداروں کو اس طرف روانہ کیا۔ شاہی فوج کو کامل فتح ہوئی۔ شیر خاں مین خان والئے جوناگڈھ کے ہاں پناہ گزیں ہوا۔ اور شاہ مرزا او رابراہیم مرزا دکن کی طرف مفرور ہو گئے۔ مرزا عزیز کوکہ نے سورت میں آکر محاربہ کی تمام کیفیت شاہ عالی تبار کے گوش گذار کی۔ آخر ابراہیم مرزا اور مسعود مرزا پنجاب میں نارہ بغاوت پھیلانے لگے۔ ابراہیم مرزا کو چند ماہی گیروں نے زخمی کیا اور وہ تھوڑے روز میں دار جاودانی کو سدھارا۔ پنجاب کے حاکم حسین قلی خان نے ۳۰۰ سو قیدیوں کو جن میں مسعود خاں بھی شامل تھا۔ بمقام فتح پور سیکری حاضر کیا بڑے بڑے سرغنے جلاد کے سپرد ہوئے۔ مسعود خان اور دیگر قیدیوں کے قصور معاف ہو گئے۔

اکبر مرزا عزیز کوکہ الملقب بہ خان اعظم کو گجرات کا صوبہ دار مقرر کر کے فتح پور سیکری میں واپس چلا آیا تھا۔ چھ ماہ بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ پیرانہ سال اختیار الملک شیر خان فولادی کے پیروؤں سے مل کر احمد آباد پر چڑھ گیا۔ اور مرزا اعظم کو محصور کر لیا۔ اس نے تنگ آکر اکبر سے کمک طلب کی۔

دربار اکبری کے لائق مصنف نے اس مہم کو بہت عمدگی سے بیان کیا ہے۔ اس موقع پر اس سے کچھ اقتباس کرنا نامناسب نہ ہوگا۔ قولہ یلا اکبر نے یلغاریں تو بہت کیں۔ مگر عجیب یلغار وہ تھی۔ جب کہ احمد آباد گجرات میں خان اعظم اسکا کوکہ گھر گیا۔ اور وہ شتر فوج اڑا کر پہنچا۔ خدا جانے حقیقوں کے دلوں میں ریل کا زور بھر دیا تھا کہ تار برقی کی پھرتی۔ اس سمے کا تماشہ ایک عالم ہو گا دیکھنے کے قابل۔ آزاد اس حالت کا فوٹوگراف الفاظ و عبارت کے رنگ روغن سے کیونکر کھینچ دکھائے۔

اکبر ایک دن فتح پور میں دربار کر رہا تھا اور اکبری نورتن سے سلطنت کا بازو آراستہ تھا۔ دفعتہً پرچہ لگا۔ کہ حسین مرزا چغتائی شہزادہ ملک مالوہ میں باغی ہو گیا۔ اختیار الملک دکنی کو اپنے ساتھ شریک کیا ہے۔ ملکی باغیوں کی

بیشمار جمعیت اور حشری فوج جمع کی ہے۔ دور دور تک ملک مار لیا ہے۔ اور مرزا عزیز کو اس طرح قلعہ بند کیا ہے کہ نہ وہ اندر سے نکل سکے۔ نہ باہر سے کوئی جا سکے۔ مرزا عزیز نے بھی گھبرا کر ادھر اکبر کو عرضیاں ادھر ماں کو خط لکھنے شروع کئے۔ اکبر اسی فکر میں داخل محل سرا ہوا۔ وہاں بیگم نے رونا شروع کر دیا۔ کہ جس طرح ہو میرے بچے کو صحیح سلامت دکھاؤ۔ بادشاہ نے سمجھایا کہ سارا لشکر بھیر و بنگاہ سمیت ایسی جلدی کیونکر جا سکیگا۔ اسی وقت محل سے باہر آیا۔ کئی ہزار کار آزمودہ اور منچلے بہادر روانہ کئے۔ اور کہدیا کہ ہرچند ہم تم سے پہلے پہنچینگے۔ مگر جہانتک ہو سکے تم بھی اُڑے ہی جاؤ۔ ساتھ ہی رستے کے حاکموں کو لکھ بھیجا کہ جتنی کوتل سواریاں موجود ہوں تیار کرلیں۔ اور اپنی اپنی انتخابی فوج سے سر راہ حاضر ہوں۔ خود تین سو جاں نثاروں سے (خانخاناں نے چار پانسو لکھا ہے) کہ تمام نامی سردار اور درباری منصبدار تھے۔ سانڈنیوں پر بیٹھ۔ کوتل گھوڑے اور گھڑ بہلیں لگا۔ نہ دن دیکھا نہ رات جنگل اور پہاڑ کو کاٹتا چلا۔

غنیم کے تین سو سپاہی سرگنج سے پھرے ہوئے گجرات جا رہے تھے اکبر نے راجہ سالباہن قادر قلی۔ رنجیت وغیرہ کو انکی سرکوبی کا حکم دیا۔ انہوں نے اس زور سے حملہ کیا کہ خاک کی طرح اُڑا دیا۔ غرض ستائیس یا چالیس منزلوں کو لپیٹ ۵سو میل کا فاصلہ طے کر کے نویں دن گجرات کے سامنے دریائے نربتی کے کنارے جا کھڑا ہوا۔ جب گجرات سامنے آیا۔ تو موجودات لی۔ تین ہزار نامور نشان شاہی کے نیچے مرنے مارنے کو کمربستہ تھے۔ امیروں نے صلاح دی کہ جو جان نثار آرہے ہیں انکا انتظار کرنا چاہئے۔ یا شبخوں مارا جائے۔ بادشاہ نے کہا انتظار بزدلی اور شبخوں چوری ہے۔ سلاح خانے سے ہتھیار بانٹ دئے۔ دائیں بائیں آگے پیچھے فوج تقسیم کی۔ مرزا عبدالرحیم (پسر بیرم خاں خانخاناں) سولہ برس کا نوجوان تھا۔ اسے سپہ سالاروں کی طرح قلب میں قرار دیا۔ خود سو سوار سے الگ رہے کہ جدھر مدد کی ضرورت ہو ادھر ہی پہنچیں۔

حکم ہوا کہ باگیں اُٹھاؤ۔ خان اعظم کے پاس آصف خاں کو بھیجا کہ ہم آپہنچے تم اندر سے زور دیکر نکلو۔ مگر وہ مارے خوف کے باہر نہ نکلتا تھا۔ نقارہ اکبری

پرچوٹ پڑی۔ اور گورکھی کی گرج سے گجرات گونج اٹھا۔ حسین مرزا گھبرایا ہُوا آیا۔ اور دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ خود اکبر خاں اعظم کی کمک کو آن پہنچا ہے۔ یہ سُنکر اس کے ہوش اُڑ گئے۔ مگر پھر اپنے آپکو سنبھالا۔ اختیار الملک کو محاصرے پر چھوڑا۔ اور خود سات ہزار فوج لیکر اکبر کے سامنے دریا کے دوسرے کنارے پر ڈٹ گیا۔ اکبر کی خوش قسمتی سے دریا پایاب تھا۔ دیکھتے دیکھتے پار اُتر گئے۔ کہ جاسوس خبر لائے غنیم کا لشکر ابھی کمر بندی میں ہے۔

اکبری فوج میمنہ میر محمد سپہ سالار میسرہ وزیر خاں اور قلب عبدالرحیم مرزا کے زیر کمان تھا۔ اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے بادشاہ ایک سو چیدہ بہادروں اور سرداروں کے ساتھ الگ کھڑے ہوئے کہ جدھر ضرورت ہو۔ ادھر ہی جھک پڑیں۔ حسین مرزا جمعیت قلیل دیکھ کر خود پندرہ سو فدائی مغلوں کو لیکر سامنے آیا۔ اور بھائی اسکا بائیں پر گرا۔ ساتھ ہی گجراتی اور حبشی فوج بازوؤں پر آئی۔ اکبر کی طرف سے بھی ترکی بہ ترکی اور کلہ بہ کلہ جواب ہونے لگے۔ جب شاہی ہراول پر زور پڑا۔ اکبر نے راجہ بھگوان داس کو کہا اپنی جمعیت تھوڑی ہے اور غنیم کا ہجوم بہت ہے۔ چلو ہم تم ملکر جا پڑیں کہ پنجہ سے مشت کا صدمہ زیادہ پڑتا ہے۔ اس فوج کی طرف چلو جدھر سرخ جھنڈیاں نظر آتی ہیں۔ حسین مرزا انہیں میں ہے۔ اسے مار لیا۔ تو میدان مار لیا۔ یہ کہکر گھوڑے کو جگہ سے جنبش دی۔ حسین خاں (ٹکریہ) نے کہا "ہاں دھاوے کا وقت ہے" بادشاہ نے آواز دی قریب پہنچ کر دھاوا کرینگے۔ غرض جب بہت قریب پہنچ گئے اور مرزا بھی لشکر سے کٹ کر ایک دستے کے ساتھ اِدھر آیا۔ راجہ ہاپا چارن نے کہا ہاں دھاوے کا وقت ہے۔ ساتھ ہی اکبر کی زبان سے نعرہ نکلا۔ اللہ اکبر۔

شاہ وہمی مزاج نے حکم دیا ہاں سمرن (سورن) میندا زید۔ آپ اور سب سوار یا ہادی یا معین کے نعرے مارتے جا پڑے۔ مرزا نے جب سنا کہ اکبر اسی غول میں ہے۔ ہوش اُڑ گئے۔ فوج بھی بکھر گئی۔ اور خود بے سروپا بھاگا۔ رخسارے پر ایک زخم بھی آیا۔ گھوڑا دوڑا کر بھاگا۔ راستہ میں تھوہر کی باڑ آئی۔ گھوڑا اُسکے بیچ میں پھنس گیا۔ گدا علی تیر کمان آپہنچا۔ اور مرزا مطیع ہو گیا۔ اس اثناء میں

شاہی لشکر کے اور سپاہی بھی پہنچ گئے تھے۔ جب مرزا اکبر کے سامنے حاضر ہوا ہر ایک یہی کہتا تھا میں نے پکڑا ہے۔ فوج لطائف کے سپہ سالار ملک تمسنخر کے مہاراجہ راجہ بیر بر نے پوچھا "مرزا تم آپ بتا دو۔ تمہیں کس نے پکڑا ہے" کمبخت مرزا نے کہا کہ مجھے کون پکڑ سکتا تھا۔ حضور کے نمک نے پکڑا ہے۔

اکبر نے اس لڑائی میں وہ وہ جوہر دکھائے کہ پرانے پرانے نبرد آزما دنگ ہو گئے۔ کئی زخم آئے یہ خون سے لتھڑ پتھڑ لڑتا رہا۔ اس اثناء میں اختیار الملک محاصرہ چھوڑ اکبر کے مقابلہ پر آتا ہوا معلوم ہوا۔ لیکن باوجود تھکان اور گھبراہٹ کے شاہ فرخ جاہ نے اپنے لشکر کو حوصلہ دلایا اتنے میں اختیار الملک نے جنگل کا رخ کیا اسکا تمام لشکر تتر بتر ہو گیا۔ سہراب بیگ ترکمان نے اس کا تعاقب کیا اور تلوار کھینچ کر کودا اختیار الملک نے کہا "اے جواں تو ترک مے نمائی۔ و ترکماناں غلام مرتضٰے علی دوستداران او باشند۔ من سید بخاریم۔ مرا بگذار" سہراب بیگ نے کہا "اے دیوانہ چوں بگذارم تو اختیار الملک ہستی۔ و ترا شناختہ و نبالت سرگرداں آمدہ ام" چنانچہ جھٹ سر کاٹ لیا۔ اور حضور میں نذر گذران کر انعام پایا۔

تھوڑی دیر کے بعد مرزا خان اعظم بھی حاضر ہوئے۔ بادشاہ خوش ہوئے گلے لگایا پھر قلعے میں گئے میدان جنگ میں کلہ مینار بنانیکا حکم دیا۔ اور دو دو روز بعد دار القرار کو روانہ ہوئے۔ قریب پہنچے تو جو لوگ رکاب میں تھے۔ سب کو دکھنی وردیاں پہنائیں۔ چھوٹی چھوٹی دکھنی برچھیاں ہاتھ میں دیں۔ اور خود بھی وہی وردی زیب تن کر کے انکے کمان افسر بنکر شہر میں داخل ہوئے۔ فیضی نے فتح کا قصیدہ پڑھا جسکا ایک شعر یہ ہے۔

نسیم خوش دلی از فتح پور آید ۔ کہ بادشاہ من از راہ دور مے آید

یہ یلغار ۲۳ اگست ۱۵۷۳ء کو شروع۔ اور ۲ ستمبر ۱۵۷۳ء کو کامیابی سے ختم ہوئی۔

علماء و مشائخ کا عروج و زوال

اس بیس برس کے عرصے میں اکبر جس طرف توسن اقبال دوڑاتا تھا۔ ادھر فتح ہوتی تھی۔ چھ برس میں دور دور تک کے ملک زیر قلم ہو گئے۔ جس طرح سلطنت کے

دائرہ کو وسعت ہوتی گئی۔ ویسا ہی روز بروز اعتقاد زیادہ ہوتا گیا۔ پروردگار کی عظمت دل پر چھا گئی۔ نیک نیت بادشاہ ان نعمتوں کے شکرانے اور آیندہ فضل وکرم کی دعاؤں میں ہر وقت توجہ اور حضور قلب سے درگاہ الٰہی میں رجوع رکھتا تھا۔ شیخ سلیم چشتی کے سبب سے اکثر فتح پور میں رہتا تھا۔ ایک پرانے سے حجرے میں تاروں کی چھاؤں میں مراقبے بیٹھ کر عاجزی اور نیازمندی کے ساتھ وظیفے پڑھتا اور اپنے خدا سے دعائیں مانگتا۔ تمام صحبت میں بھی اکثر خداشناسی معرفت شریعت اور طریقت ہی کی باتیں ہوتیں تھیں۔ رات کو علما و مشایخ اور اہل فضیلت جمع ہوتے تھے۔ حدیث۔ تفسیر کی باتیں۔ علمی مسائل کی تحقیق اور مباحثے گرم رہتے تھے۔

سنہ ۹۸۲ھ میں شیخ سلیم چشتی کی نئی خانقاہ کے پاس ایک عظیم الشان عمارت تعمیر ہوئی اور اسکا نام عبادت خانہ رکھا۔ اسکے چاروں طرف چار بڑے بڑے ایوان بڑھا کر عمارت بہت وسیع کر دی گئی۔ ہر جمعہ کی نماز کے بعد یہاں دربار خاص ہوتا تھا۔ علمائے نشست کے متعلق معرکے ہوئے تو یہ آئین باندھا کہ امرا جانب مشرقی میں۔ سادات جانب غربی میں۔ علما و حکما جنوبی میں۔ اہل طریقت شمالی میں بیٹھیں۔ عمارت مذکور کے پاس ہی انوپ تلاؤ دولت سے لبریز تھا دنیا کے لوگ آتے تھے۔ اور روپے اشرفیاں اس طرح لیجاتے تھے۔ جس طرح جیسے گھاٹ سے پانی۔

شب جمعہ کو بادشاہ ہر ایوان میں آپ جاتا تھا۔ اور وہاں کے اہل جلسہ سے باتیں کرتا اور تحقیقات مطالب سے ذخیرۂ معلومات بڑھاتا تھا۔ ان ایوانوں میں گلدستے رکھے جاتے تھے۔ عطر۔ پھولوں خوشبوؤں سے ہر ایک کمرہ مہک اٹھتا تھا۔ اہل حاجت کو روپے اور اشرفیاں بٹتی تھیں بادشاہ نے علما کی بہت قدر کی اور انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ لیکن افسوس کہ مسجدوں کے بھوکوں کو جب تر نوالے ملے اور حوصلے سے زیادہ عزت ہوئی۔ تو دماغ عرش بریں پر چڑھ گیا اثنائے مباحثہ میں آپس میں جھگڑنے لگے۔ اور شور وغل سے آسمان سر پر اٹھا لیتے تھے۔ ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ میں اپنی فضیلت کے

ساتھ دوسرے کی جہالت دکھاؤں۔ ملا عبداللہ سلطانپوری جو مخدوم الملک کے لقب سے سرفراز تھے اور عبدالنبی صدر الصدور ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے اور بحث سے گذر کر ذاتیات تک پہنچ گئے۔ اور ایک دوسرے کی حماقت اور غلطیاں۔ بے ایمانیاں۔ دھوکہ بازیاں اظہر من الشمس کر دیں۔ بادشاہ نے اس قسم کے دنگوں اور شور و غل سے مجبور ہو کر حکم دیا کہ جو نامعقول بے محل بات کرے اسے ہٹا دو۔ ملا عبدالقادر بدایونی سے کہا۔ آج سے جس شخص کو دیکھو کہ نامعقول بات کرتا ہے۔ ہم سے کہدو۔ ہم مجلس سے اُٹھا دینگے۔ اختلاف رائے اور خود نمائی کی برکت سے عجب عجب مخالفتیں ظاہر ہونے لگیں۔

انہیں دنوں میں (۱۵۷۵ء) شیخ ابوالفضل بھی آن پہنچے۔ وہ بھی علوم عقلی و نقلی پر حاوی تھے۔ اور جودت طبع اور ذہانت خداداد سے ہر مضمون کے متعلق سینکڑوں دلائل سوچ سکتے تھے۔ اسکے سامنے کسی کی کچھ حقیقت نہ رہی۔ جس دلیل کو چاہا چٹکی میں اُڑا دیا۔ شیخ اور شیخ کے باپ نے مخدوم اور صدر کے ہاتھوں سے برسوں تک زخم اُٹھائے تھے۔ انہوں نے ان سے خوب خوب انتقام لئے۔ علما کی بحثوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ فروعی مسائل کا معاملہ تو درکنار۔ اصول عقائد میں بھی کلام ہونے لگے۔ بات بات میں دلیل و برہان طلب کی جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ غیر مذہب کے عالم بھی جلسوں میں شامل ہونے لگے۔ اور یہ خیال ہوا کہ مذہب میں تقلید کچھ نہیں۔ ہر بات کو تحقیق کر کے اختیار کرنا چاہیئے۔

ادھر علما کے باہمی حسد و عداوت اور جھگڑوں سے بادشاہ کا دل کھٹا ہو گیا۔ ادھر ملکی مصلحتیں پیش آئیں۔ بادشاہ یہ چاہتے تھے کہ ہندو اور مسلمان شیر و شکر ہو جائیں۔ پرانی لکیر کے فقیر علما ہر بات میں مسلمانوں کی بہبودی مقدم سمجھتے تھے۔ اکبر بنا سلطنت کے استوار کرنے میں ہندوؤں کی تالیف قلوب ضروری سمجھتے تھے۔ غرض قدیم علما نظروں سے گر گئے۔ اور نئے آزاد خیال اور صلح کل عالم اور فاضل قربت اور مصاحبت کے درجہ پر پہنچ گئے۔ ان میں سے سب سے اعلےٰ فیضی اور ابوالفضل تھے۔ انکے خیالات اور آزادانہ مذہب کا بادشاہ کے دل پر بہت اثر ہوا۔

لیکن علما کے تنزل اور ادبار کا سب سے بڑا باعث یہ ہوا کہ انہیں بزرگان دین کے طفیل بنگالہ میں بغاوت ہوئی اور بے طرح ہوئی۔ سبب اسکا یہ ہوا کہ بعض مشائخ معافیدار اور مسجدوں کے امام اپنی جاگیروں کے باب میں ناراض ہوئے۔ انکے داغ پشتوں سے بلند چلے آتے تھے۔ اور اسلام کی سلطنت سے سلطنت کو اپنی جاگیر سمجھے ہوئے تھے۔ مشائخ عظام اور ائمہ مساجد نے وعظ کی مجلسوں میں ہدایت شروع کردی کہ بادشاہ وقت کے ایمان میں فرق آگیا ہے۔ اور اسکے عقائد درست نہیں۔ بعض امرا بھی شاہی احکام۔ تنخواہ لشکر۔ ملک کے حساب کتاب وغیرہ میں ناراض تھے۔ انہیں بھی معقول بہانہ مل گیا۔ غرض دینی اور دنیاوی فرقے اکبر کی مخالفت پر متفق ہوگئے۔ ملا محمد یزدی قاضی القضاۃ جونپور نے فتوے دیدیا کہ بادشاہ وقت بد مذہب ہوگیا ہے۔ اس پر جہاد واجب ہے۔ انہیں شرعی سندوں کی بنا پر امیر اور سردار بنگالہ اور دیگر بلاد مشرق میں باغی ہوگئے۔ بادشاہ نے آگرہ سے فوج اور خزانہ بھیجا۔ کہ بغاوت فرو کیجائے۔ ملا محمد یزدی اور میر معز الملک (ایک شاہی سپہ سالار) وغیرہ کو ایک بہانے سے بلا بھیجا۔ اور گوالیار کے قید خانہ میں جہاں ملکی مجرم نظر بند ہوتے تھے۔ بھجوا دیا۔ تھوڑے روز بعد بادشاہ کے حکم سے غرق کردیے گئے۔ مخدوم الملک اور شیخ صدر بھی اپنے کرتوتوں کی وجہ سے حج بیت اللہ کو بھیجدیے گئے۔ اصل میں انکو دربار سے علیحدہ کرنا منظور تھا۔

لیکن جہاں ایک طرف متعصب۔ کٹ ملاؤں سے بدسلوکی ہوئی۔ سچے صاحبدل اور کریم النفس علما کی عزت و حرمت ہوتی تھی۔ مثلاً میر سید محمد میر عدل کی بہت عزت ہوئی حکیم ابوالفتح گیلانی۔ شیخ مبارک۔ شیخ فیضی۔ شیخ ابوالفضل ملا عبدالقادر بدایونی وغیرہ علما خاص وقت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

علما کی خانہ جنگی یعنے مذہبی مباحثوں کا ایک تو یہ اثر ہوا کہ بادشاہ خود انکی طرف سے بدگمان ہوگیا۔ اور انکا اعتبار بالکل اٹھ گیا۔ دوسرے خود اکبر کے مذہب میں نمایاں تغیر واقع ہوا۔ اور آخیر میں وہ دین الہی اکبر شاہی کا موجد ہوا۔ اس مذہب کے نشوونما میں شیخ ثلثہ کا بہت اثر ہوا۔ اکبر کے مذہب پر کسی آئندہ مقام پر بحث کی جائیگی۔

تسخیر بنگالہ

ملک بنگالہ اول ہی اول بختیار خلجی نے جو قطب الدین ایبک کا سپہ سالار تھا۔ ہندو راجہ لکشمینا سے فتح کر کے اسلامی سلطنت میں داخل کیا تھا۔ یہ ۱۱۹۸ء کا واقع ہے۔ اس کے بعد ۱۳۳۸ء تک شاہاں دہلی کے قائمقام یا صوبہ دار اس ملک پر حکومت کرتے رہے۔ لیکن ۱۳۳۸ء میں فخرالدین ابوالمظفر مبارک شاہ جو اصل میں سنارگاؤں کے صوبہ دہلی کا سلحدار تھا۔ اپنے آقا کی وفات پر بنگالہ کا خود مختار حاکم ہو گیا۔ مبارک شاہ کا خاندان ۱۳۵۲ء تک حکمران رہا۔ اسکے ابعد کچھ عرصہ تک شاہ گردی کا دور دورہ رہا۔ اور آخر ایک ہندو زمیندار راجہ کنس سریرآرائے بنگالہ ہوا مگر اسکا بیٹا اور جانشین مشرف باسلام ہو گیا۔ پھر بنگالہ میں مختلف خود مختار بادشاہ حکومت کرتے رہے۔ اور آخری بادشاہ محمود شاہ ثالث کو شیر شاہ سور نے معزول کر دیا۔ اور پھر شیر شاہی صوبہ داروں کا خاندان شروع ہوا۔ شیر شاہ کی وفات پر اسکے بیٹے اسلام شاہ نے میاں سلیمان کرارانی کو جنوبی بہار میں گورنر مقرر کیا۔ ۱۵۵۳ء میں محمد خاں سور بنگالہ غصب کر کے خود مختار ہو گیا۔ اور اس وقت سے پٹھانوں میں فساد اور جھگڑے شروع ہوئے۔ بہادر شاہ محمد خاں سور کے جانشین اور میاں سلیمان کرارانی نے ایکا کر کے عادل شاہی حکومت بنگالہ کا خاتمہ کر دیا اور خود بادشاہ کو ۱۵۵۶ء میں منگیر کے مغرب میں بمقام سورج گڑھ شکست دی بہادر شاہ کی وفات پر اسکا بھائی جلال شاہ حاکم بنگالہ ہوا۔ ۱۵۶۰ء اسکے بیٹے اور جانشین کو ایک شخص غیاث الدین نے قتل کر دیا۔ قاتل کی گوشمالی اور سرکوبی کے لئے سلیمان کرارانی نے اپنے بڑے بھائی تاج خاں کو بھیجا۔ وہ غاصب کو معزول کر کے سلیمان کے صوبہ دار کی حیثیت میں بنگالہ پر حکومت کرنے لگا جب وہ مر گیا۔ سلیمان نے حضرت اعلٰے کا لقب اختیار کر کے پایہ تخت سلطنت گوڑ سے ٹانڈہ میں تبدیل کیا۔

اس موقع پر دربار اکبری کے لائق مصنف نے سلیمان کے حالات میں بنگالہ کی مجمل کیفیت بالفاظ ذیل لکھی ہے "سلیمان خان کرارانی چھوٹا بھائی

تخت تاج خاں حاکم بنگالہ کا۔ بنگالہ کی حکومت قدیم الایام سے پٹھانوں کے ہاتھوں میں چلی آتی تھی۔ جو کہنے کو سلطان دہلی کے تابع فرماں تھے لیکن درحقیقت خود مختار بادشاہ اپنے ملک کے تھے۔ اور شاہ دہلی کے مقابلہ میں کبھی کبھی وہ اپنے نام کا خطبہ بھی پڑھوا لیتے تھے۔ جب سلیم شاہ سوری مرگیا۔ اور مبارز خاں اسکا سالا عادل شاہ بادشاہ ہوا۔ تو کرانی افغانوں کے چند سردار اور بعض امرائے دربار سلطنت کا رنگ بے رنگ دیکھ کر عدلی کے دربار سے الگ الگ ہو گئے تھے۔ وہ بنگالہ کی طرف گئے۔ اور ادھر کے ملکوں میں جا کر مختلف قطعات پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان کا سرگروہ تاج خاں تھا۔ کہ جمعیت قوم سے طاقت والا۔ تدبیریں لیاقت والا۔ اور دین و دیانت کی پابندی سے نظروں میں پورا وزن وقار رکھتا تھا اسکا ذکر نہ کرو کہ سلیم شاہ کے اشارہ سے خواص خاں کو قول و قسم کر کے بلایا اور قتل ہی کر ڈالا۔ کیونکہ سلطنت کے کارخانوں اور خصوصاً افغانوں میں یہ معمولی باتیں ہیں۔ سبحان اللہ آزاد! وہی خواص خاں جسے شیر شاہ نے بچوں کی طرح پالا۔ اور وفاداری اور جاں نثاری کے جوہر سے سلطنت کا بازو اور اپنی آنکھوں کا نور سمجھتا رہا۔ بلکہ خاص و عام اسکی دینداری اور خدا ترسی کے لحاظ سے مرنے کے بعد بھی خواص خاں ولی کہتے رہے۔ غرض عدلی سکندر سور۔ ابراہیم سور وغیرہ ہندوستان میں کٹتے مرتے رہے۔ تاج خاں الگ بنگالہ میں بیٹھے رہے۔ ان کا اقبال آس پاس کے سرداروں کو آہستہ آہستہ خاک میں دباتا گیا۔ ان کو ابھارتا گیا۔ وہ انکے علاقوں کو دباتا گیا۔ اور زور پکڑتے گئے۔ یہاں تک کہ جلال خاں بھی مرگیا۔ اور ملک بنگ بہار پر قابض ہو گئے چند روز کے بعد تاج تختہ پر لیٹے۔ سلیمان کرانی تخت پر بیٹھے۔

سلیمان عام لیاقت اور تدابیر ملکی کے لحاظ سے اپنے بڑے بھائی سے بھی بڑھ چڑھ کر تھا اس نے کٹک سے جگناتھ تک ملک فتح کئے۔ اور کامروپ سے اوڑیسہ تک ملک سلیمان بنا دیا۔ لیکن بادشاہی کا تاج سر پر نہ رکھا۔ حضرت اعلیٰ لکھواتا تھا۔ گو فی الحقیقت بنگالہ خود مختار بادشاہ تھا۔ اکبر اور اُس کے سرداروں میں سے کسی کو جرات نہ ہوئی کہ اسکے ملک کی طرف

آنکھ بھر کر دیکھے۔ جب خان زمان علی قلی خان کے زور بازو سے اکبری سلطنت مشرق میں پھیلی۔ اور اس نے گڑھ مانک پور اور جونپور تک کا علاقہ اکبری سلطنت میں شامل کر کے زمانیہ اپنے نام پر آباد کیا۔ تو بڈھے بہادر تاج خاں نے جوان دلاور سے بگاڑ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ دوستانہ پیام سلام اور خط و کتابت جاری کر کے موافقت پیدا کی۔ اس نے بھی اول تاج خاں اور بعد اسکے سلیمان سے ساز باز کر کے بنگالہ میں اکبر کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اور اطاعت بادشاہی پر مائل کیا۔ غرض جب تک یہ عاقبت اندیش اور علم دوست پٹھان بنگالہ پر حاکم رہا۔ ملک کا انتظام نہایت عمدگی اور خوبی سے کرتا رہا اور اکبر کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھے۔

جب سلیمان کرانی نے وفات پائی اسکا بڑا بیٹا بایزید تخت نشیں ہوا لیکن ملک کے بڑے بڑے سردار مثلاً لودھی خاں۔ گوجر خاں قتلو خان وغیرہ جنکے ساتھ بڑے بڑے جتھے تھے۔ نیک نیت نہ تھے۔ اور ناتجربہ کار مگر عالی دماغ بادشاہ گھر کے فسادوں کو نہ دبا سکا۔ اور اپنے چچا زاد بھائی اور داماد ہانسو کے ہاتھوں قتل ہوا۔ لودھی کی تجویز سے جو ملک کی جیتی جان تھا۔ داؤد چھوٹے بھائی نے اپنے بڑے بھائی کی جگہ پائی۔ ادھر گوجر خان نے بایزید کے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا۔ لودھی نے کسی قدر فہمائش اور کسی قدر لشکر کی نمائش کے گوجر خاں کو بھی اپنا طرفدار کر لیا۔ داؤد نے تاج شاہی سر پر رکھتے ہی بادشاہی لقب اختیار کیا۔ اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ داؤدی سکہ جاری کیا۔ مگر افغان سرداروں سے عمدہ سلوک نہ کیا۔ انکے دل ٹوٹ گئے۔ لودھی بھی اس سے بیزار ہو گیا۔ قتلو خاں۔ گوجر خاں وغیرہ نے جو لودھی سے جلتے تھے۔ بڈھے اور لڑکے کو لڑا دیا۔ غرض داؤد حاجی پور اور پٹنہ میں سلطنت کا نقارہ بجاتا تھا۔ اور لودھی قلعہ رہتاس میں نقارے دندناتا تھا جب نوبت بایں جا رسید کا معاملہ ہوا لودھی نے منعم خاں سے مدد طلب کی۔ انہوں نے فی الفور چند امرا کے ساتھ کمک بھیجی۔ داؤد ایک روز متعدد سواروں کے ساتھ شکار کو نکلا۔ لودی ۱۰ ہزار سوار لیکر چڑھ آیا۔ داؤد شہر میں بھاگ گیا۔ بعد میں سلیمان کے قدیم نمکخواروں

کو ادھر سے توڑ کر اپنے ساتھ ملانا شروع کیا۔ پھر لودھی کو دغا سے بلا بھیجا۔ جسکے وزیر کالو نے سمجھایا کہ جانا مناسب نہیں۔ مگر چونکہ موت آپہنچی تھی اس نے نہ مانا اور داؤد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرنے سے پیشتر اس نے داؤد کو نصیحت کی کہ خیر دشمنوں کی خوان سازی کا اثر چل گیا۔ مگر صاحبزادے بہت پچھتائیگا۔ اور کچھ فائدہ نہ پائیگا۔ اب بھی جو مصلحت ہے وہ کہدیتا ہوں۔ عمل کریگا تو فتح تیری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جو صلح دو لاکھ دیکر میری ہی معرفت ہوئی ہے۔ اس پر پھولنا مغلیہ کی بلا اتنی بات میں سر سے نہ ٹلیگی۔ اگر بگاڑنی ہے تو پیشدستی کرو۔ اور فوراً جا پڑو کہ "ہرگز مشت بیشین را بدل نیست" نوجوان نے اس نصیحت کو نہ مانا۔ اور لودھی کو قتل کروادیا۔ منعم خاں کی صلح پر بھروسہ کیا۔ مگر خطا کھائی۔ لودھی کے قتل سے افغانوں میں ہل چل پڑ گئی۔ اس وقت منعم خان فقط اپنی رکابی فوج لیکر جا پڑتا تو بنگالہ کا معاملہ ہمیشہ کے لئے طے ہوجاتا۔ مگر اس نے احتیاط یا تساہل سے اس کا چنداں خیال نہ کیا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بنگالہ بہت سی دقتوں اور مال وجان کے نقصان کے بعد فتح ہوا جس کی تفصیل آئندہ درج ہے۔

اس واقع سے پیشتر اکبر نے چلما بیگ خاں عالم۔ اشرف خاں اور چند ماہ بعد راجہ ٹوڈرمل کو منعم خاں کی کمک پر بھیجا۔ لودھی کے قتل کی خبر سنکر منعم خاں خانخاناں نے جو لودھی کا قدیم دوست تھا۔ فی الفور داؤد خاں پر چڑھائی کی۔ لیکن باوجودیکہ اسکے ساتھ کئی چیدہ اور نبرد آزما سردار موجود تھے اسکو فتح کا کامل یقین نہ تھا۔ اس نے بادشاہ کو تاکید سے لکھ بھیجا کہ حضور بذات خود تشریف لائیں کہ یہ مہم آسان ہو۔ شاہ عالم پناہ شہ یاجاہ اپنے بیٹوں اور حرم کے ساتھ کشتیوں پر سوار ہوکر ادھر روانہ ہوئے۔ اور باوجود طوفان اور دریا کے طغیانی کے مارا مار چلے گئے۔ کوڑی کے مقام پر جو دریائے گنگا اور گومتی کے مقام اتصال پر واقع ہے۔ بری فوج بھی آپہنچی۔ غرض ہر طرح کا بندوبست کر کے پٹنہ کی طرف روانہ ہوئے۔

داؤد نے باوجود لودھی کی آخری نصیحت کے پٹنہ کی حفاظت اور غنیم کی روک تھام کا قرار واقعی انتظام نہ کیا تھا۔ پھر بھی ملک کی آب وہوا اور پٹنہ کا مقام وقوع اسکے معاون تھے۔ جب اکبر چوسا کے گھاٹ پر پہنچا تو پتا لگا کہ عیسیٰ خاں

ایک نہایت مشہور افغان سردار قلعہ سے باہر دھاوا کرکے آیا۔ اور قتل ہؤا۔ خانخاناں نے اس مراسلہ میں یہ بھی شکایت کی تھی کہ ہم بارش کے مضر اثر سے تنگ آرہے ہیں۔ گھوڑے اور ہتھیار بیکار ہوگئے ہیں۔ بادشاہ نے فی الفور تازہ دم گھوڑے اور عمدہ ہتھیار روانہ کئے۔ اور ۵ اگست ۱۵۷۴ء کو خود بھی پٹنہ پہنچ گیا۔ اور منعم خاں کے خیمہ گاہ میں فروکش ہؤا۔

داؤد خود تو پٹنہ میں تھا۔ اور اسکی بہت سی فوج حاجی پور کے قلعہ میں مقیم تھی۔ وہاں سے اسکو برابر رسد آتی تھی۔ اور شاہی فوج اسکا کما حقہ تدارک نہ کرسکتی تھی نظر بریں خانخاناں نے چلمہ بیگ۔ خان عالم کو تین ہزار فوج دیکر حاجی پور کی طرف روانہ کیا۔ جب وہ قریب پہنچا تو غنیم نے اسکا بندوق و تفنگ سے استقبال کیا۔ اکبر نے پٹنہ پہنچتے ہی دشمن کے مورچوں کا ملاحظہ کیا۔ اور یہ دیکھکر کہ حاجی پور سے مدد کا راستہ کھلا ہے اس طرف اور کمک بھیجی۔ چلمہ بیگ نے نہایت بہادری اور حوصلہ سے حاجی پور قبضہ کرلیا۔

جب داؤد کو یہ خبر پہنچی۔ تو اسکے رہے سہے اوسان خطا ہوگئے وہ قلعہ پٹنہ کے ایک چور دروازے سے راتوں رات نکل بنگالہ کی طرف بھاگ نکلا گوجر خان اسکا مشہور سپہ سالار بھی ہاتھی اور فوج کو لیکر خشکی کی راہ سے مفرور ہوگیا۔ بہت سے دشمن افراتفری کی حالت میں دریا میں غرقاب ہوئے۔ اکبر نے صبح ہوتے ہی تعاقب کیا۔ اور پٹنہ سے ۲۰ میل کے فاصلے پر بمقام دریا پور دم لیا۔ فتحیابوں کو ۲۶۵ ہاتھی اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔

بعد ازاں ایک جنگی جلسہ منعقد ہوا۔ اکبر نے خانخاناں کو بیس ہزار چیدہ سپاہ اور منتخب سرداران فوج مثلاً ٹوڈرمل۔ مجنوں خاں قاقشال۔ چلمہ بیگ اور اشرف خاں وغیرہ کے ساتھ لڑائی کے جاری رکھنے کی تائید کی۔ اور خود وہاں سے رخصت ہوکر جونپور کی طرف چلا۔ اور راستہ میں غیاث پور سے رہتاس کے قلعہ کی تسخیر کیلئے بہت سی فوج روانہ کی۔

اس کے بعد جنید کرارانی داؤد خاں کے ساتھ شریک ہونیکے ارادہ سے چٹیا ناگپور میں پہنچا۔ اور علم بغاوت بلند کیا چاہتا تھا کہ راجہ ٹوڈرمل نے جو فتح پٹنہ میں مردانہ خدمات انجام دے چکا تھا۔ اسکو بڑی بہادری سے دبایا۔ مگر اس

موقع پر شاہی سردار منعم خاں سے بگڑ گئے اور اکبر کے کاروبار میں ابتری پڑنے لگی داؤد بنگالی سرحد اوڑیسہ تک پہنچ گیا تھا۔ اس کیفیت کو سنکر اسکو پھر ہمت ہوئی۔ اور گوجر خاں سے موافقت کرکے فوج لیکر شاہی افواج کے مقابلہ کو روانہ ہوا۔ عالی ہمت ٹوڈرمل نے بڑی دانائی اور استقلال سے شاہی سپاہ اور سرداروں کو سمجھایا۔ اور بگڑا ہوا کام بنا کر فوراً مقابلہ کو اُٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں فوجیں مغلماڑی کے قرب وجوار میں ٹکروئی کے مقام پر ٹکرائیں۔ خانخانان بھی آن پہنچے۔ طرفین کی فوجیں میدان میں آراستہ ہوئیں منعم خاں خانخاناں خود قلب لشکر میں۔ ٹوڈرمل اور خان عالم دونوں بازوؤں پر تھے۔ گوجر خاں خان عالم پر اس زور شور سے گرا کہ اسکا لشکر تتر بتر ہوگیا اور وہ خود بہت سے مغلوں کے ہمراہ کھیت رہا۔ منعم خان بھی تین کوس تک بھاگا گیا۔ مگر آفرین ہے ٹوڈرمل کو کہ داہنا بازو لشکر کا تھا۔ وہ نہ فقط جما رہا۔ بلکہ سردار فوج کے دل بڑھاتا رہا۔ دائیں سے یہ اور بائیں سے شاہم خاں جلائر اس زور شور کے ساتھ گرا کہ غنیم کے لشکر کو تہ و بالا کر دیا۔ اتنے میں گوجر خاں مارا گیا اور افغان بدحواس ہوکر بھاگے۔ اور لشکر شاہی فتحیاب ہوا۔ ٹکروئی کی لڑائی ۳ مارچ ۱۵۷۵ء کو ہوئی۔ اور اس سے داؤد کا رعب داب بالکل زائل ہوگیا۔

اسی سال کے ماہ اپریل تک داؤد کا قافیہ اس قدر تنگ ہوا کہ اس نے صلح کی سلسلہ جنبانی شروع کی۔ مغلیہ سردار اور سپاہی بھی آب وہوا کی ناموافقت اور بارش اور غربت کی وجہ سے دق ہو رہے تھے۔ منعم خان اور دیگر سرداران لشکر شاہی کی رائے ہوئی کہ داؤد سے صلح کر لیجائے۔ مگر ٹوڈرمل نے کہا۔ اگر ذراسی ہمت کریں۔ تو ملک اپنا مال ہے۔ اور دشمن کا ستیاناس ہو سکتا ہے۔ لیکن اتفاق رائے کے سامنے اس کی کچھ پیش نہ گئی۔ آخر ۱۲ اپریل ۱۵۷۵ء کو کٹک کا عہدنامہ مرتب ہوا۔ اور کچھ عرصے کے لئے صلح ہوگئی۔

تھوڑے دنوں بعد داؤد عہد وپیمان کو بالائے طاق رکھکر اور حلف کو فراموش کرکے پھر باغی ہوگیا۔ اور اسکے افغان اپنی اصلی حالت دکھانے لگے۔ تمام بنگالہ میں بغاوت پھیل گئی۔ امرائے اکبری لوٹ کے مال مار کر قارون بن گئے

تھے۔ قاعدہ ہے کہ جتنی دولت زیادہ ہوتی ہے۔ اتنی ہی جان عزیز ہوتی ہے۔ توپ تلوار کے منہ پر جانے کو کسی کا جی نہ چاہتا تھا۔ اس عرصہ میں منعم خان خانخاناں عالم جاودانی کو رحلت کر گیا تھا۔ بادشاہ نے ممالک بنگالہ وغیرہ کا انتظام خانجہاں کے سپرد کیا اور ٹوڈرمل کو ساتھ کر دیا۔ غرض امیروں اور سرداروں کے حوصلے بڑھائے۔ اور لشکر کو سنبھال قلعہ اور شہر فتح کرتے دشمن کے مقابلہ کو روانہ ہوئے۔ معرکہ کا میدان آخیر حملہ داؤد کا تھا کہ شیر شاہی اور سلیم شاہی عہد کے پرانے پرانے تجربہ کار اور نبرد آزما پٹھان سمیٹ کر عین برسات کے موسم میں پہاڑ سے اُٹھا۔ اور دھوم دھام سے دریائے گنگا کے دائیں کنارے پر ایک محل (راج محل) پر ڈٹ گیا اس جنگ کی تیاریوں کی خبر سنکر اکبر نے خود آگرہ سے سواری کا سامان کیا۔ اور پانچ میل آیا ہو گا کہ فتح کی خبر پہنچنے پر سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ آخری لڑائی سے پیشتر ۱۲ جولائی کو ایک لڑائی ہوئی تھی۔ جس میں شاہی لشکر کو فتح ہوئی تھی۔ اور داؤد کا ایک مشہور سردار کالا پہاڑ مجروح ہو کر مفرور ہو گیا۔ اور آخری حملہ سے پہلی رات میں جنید بھی گو سخت زخمی ہو گیا تھا۔ جس سے غنیم کی آرزوؤں اور ارادوں پر بہت مضر اثر ہوا۔ غرض دونوں لشکر قلعہ باندھ کر سامنے ہوئے۔ خانجہاں قلب میں اور ٹوڈرمل بائیں پر تھا۔ دونوں طرف کے بہادر اس ہمت اور مردانگی سے لڑے کہ دلوں کے ارمان نکل گئے۔ مگر فتح و شکست خدا کے ہاتھ ہے داؤد گرفتار ہوا۔ جب خانجہاں کے سامنے پیش ہوا تو اس سے پوچھا گیا کہ عہدنامہ کیوں توڑا ہے۔ اس نے کمال بے شرمی سے جواب دیا۔ میں نے وہ عہدنامہ خانخاناں (منعم خاں) سے کیا تھا۔ اگر آپ اتر آئیں۔ ہم دوستانہ گفتگو کر کے اور عہدنامہ کرینگے" مگر اس بدنیت اور بدعہد دشمن کی دغابازی کے خیال سے اس کا سر فوراً جسم سے جدا کر کے اکبر کی خدمت میں روانہ کیا گیا۔ داؤد کے خاتمہ سے لڑائی کا خاتمہ ہوا۔ اور قوم افغان کی بنگالہ اور بہار سے جڑ اکھڑ گئی۔ ٹوڈرمل نے دربار میں حاضر ہو کر ۳۰۴ ہاتھی نذر گذرانے۔ کہ اکبر کے لئے یہی اس ملک کا بڑا تحفہ تھا۔ مہم کے فتحنامے خان جہاں اور ٹوڈرمل کے نام سے گلگوں ہو گئے۔

سر ایڈورڈ سلیوان بارٹ اپنی تاریخ کے اس مقام پر جہاں بیرم خان کی معزولی اور فتح دکن کا ذکر ہے اور خوش انتظامی کے بارہ میں مفصلہ ذیل رائے دیتے ہیں "بیرم کی ذلت اور معزولی سے سلطنت مغلیہ کی کا اوج موج اور بحالی مسدود نہ ہوئی۔ اکبر نے فی الفور ثابت کر دیا کہ اس میں اپنی سلطنت کے ضائع شدہ صوبوں کے از سر نو مسخر اور اُن پر حکومت کرنیکی قابلیت موجود ہے۔ رفتہ رفتہ اس نے اجمیر گوالیار کو اپنے قلمرو میں شامل کیا۔ اور سخت لڑائیوں کے بعد افغانوں کو اودھ کے زرخیز اور شاداب صوبہ سے خارج کر دیا پچیس برس کی عمر میں نو سال کی مسلسل جنگ وجدل سے اس نے اپنی ممالکت کے ہر ایک حصے میں بغاوت اور سرکشی کو فرو کیا۔ باغیوں کو قرار واقعی سزا دی۔ اور ان تمام صوبوں پر جو اسکے دادا بابر نے فتح کئے بخوبی تسلط بٹھالیا۔ اور پھر تازہ فتح کے خیال سے اپنی للچائی ہوئی نگاہوں کو دکن کی طرف پھیرا۔ یہ وہی زرریز خطہ ہے۔ جس پر ہندوستان کے بادشاہوں کی زائد قوت اور دولت صرف ہُوا کرتی ہے" اس ریمارک پر ہم یہ ایزاد کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ بنگالہ کی فتح کے وقت اکبر کی عمر تینتیس برس کی تھی۔ اور اس نے نہ صرف اپنے دادا بابر کے مفتوحہ علاقے بلکہ ہمایوں کے نو مفتوح ملاقجات گجرات اور بنگالہ کو بھی زیر نگیں کر لیا تھا۔ اور اس وقت اکبری سلطنت کی حد ایک طرف کابل کے پرے۔ دوسری طرف اودھ۔ مشرق میں اڈریسہ اور مغرب میں گجرات تھی۔ اب اسکے دل میں اپنی سلطنت کو دکن میں پھیلانے کا خیال پیدا ہُوا۔ اور آئندہ صفحات سے واضح ہو جائیگا کہ اسکو اس ارادہ میں کہانتک کامیابی ہوئی۔

راجپوتوں کی دوبارہ بغاوت

۱۵۷۶ء میں اکبر اجمیر میں تھا کہ چندر سین پسر راجہ مالدیو والئے جودھپور نے قلعہ سوانہ میں علم بغاوت بلند کیا۔ رائے رائے سنگھ اور شاہ قلی محرم کو اس متمرد کو راہ راست لانے کے لئے بھیجا گیا۔ جب چندر سین صلح صفائی کرنے کے

واسطے تیار نہ ہوا تو اسکو بزور شمشیر سیدھا کرنیکی ضرورت ہوئی۔ شاہی فوج نے قلعہ سوانہ کا محاصرہ کیا۔ محاصرہ کے دوران بہت سی شاہی سپاہ ضائع ہوئی۔ اور اس کی امداد پر تازہ دم فوج برابر آتی رہی۔ چندر سین اس قلعہ کو اپنے ایک معتمد کے سپرد کر کے خود تمام ملک میں بغاوت پھیلانے لگا۔ اسکا بھتیجا کالا بھی آمادۂ بغاوت ہو گیا۔ آخر جب ۱۵۷۶ء میں شہباز خان نے قلعہ مذکور کا مسخر کیا تو ان لوگوں کی بغاوتیں بھی فرو ہو گئیں۔

اس بغاوت سے تھوڑے روز بعد رائے سرجن کے بیٹے دودا نے بوندی میں فساد برپا کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راجپوتوں نے مغلیہ سلطنت کے مقابلہ پر ایکا کیا ہوا تھا۔ انہیں دنوں پرتاب سنگھ بھی شاہی افواج سے دست بگریباں ہونے لگا۔ اسکی لڑائیوں اور معرکوں کی کیفیت دلچسپی سے خالی نہیں۔ ناظرین غور سے پڑھیں۔

پرتاب سنگھ بزدل اودے سنگھ کا بیٹا۔ اور بہادر اور مشہور رانا سانگا کا پوتا تھا۔ باپ نے تو نہایت بے عزتی کی زندگی بسر کی تھی۔ مگر دادا کے کارنامے ہر وقت اسکے پیش نظر رہتے ہونگے۔ وہ اپنے باپ کے رہے سہے ملک پر قابض تھا۔ اور مغلوں سے سخت متنفر تھا۔ بلکہ جن ہندو راجاؤں نے اکبر سے رشتے ناطے کئے تھے انکو بھی حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اور بالخصوص راجا مان سنگھ کو۔ راجہ مان سنگھ شعلہ پور کی مہم مار کر واپس آرہا تھا۔ جب اودے پور کی سرحد سے گزرا تو سنا کہ رانا پرتاپ کوملمیر کی میں ہے اپنا وکیل بھیجا اور لکھا کہ آپ سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ رانا نے اودے ساگر جھیل تک استقبال کیا۔ اور اسکے کنارے ضیافت کا سامان کیا۔ کھانے کے وقت رانا آپ نہ آیا۔ بیٹے نے آکر کہا رانا جی کے سر میں درد ہے۔ وہ نہ آئینگے۔ آپ کھانے پر بیٹھیں اور اچھی طرح کھائیں۔" راجا مان سنگھ نے کہلا بھیجا میں اس مرض کو بھانپ گیا ہوں۔ اور یہ لاعلاج ہے۔ مگر جب وہی مہمانوں کے آگے تھال نہ رکھینگے تو کون رکھیگا۔

رانا نے اسکے جواب میں کہلا بھیجا کہ مجھے اس کا بڑا رنج ہے۔ مگر خیال

آتا ہے کہ جس شخص نے ترک سے بہن بیاہ دی تو اسکے ساتھ کھانا بھی کھایا ہی ہو گا۔ راجہ مان سنگھ کو اس چوٹ سے بہت صدمہ ہوا۔ پھر بھی دل پر پتھر رکھکر چاول کے چند دانے ان دیوی کو چڑھائے۔ وہی اپنی پگڑی میں رکھ لئے اور چلتے وقت پرتاب کی طرف مخاطب ہوکر (کیونکہ اس وقت وہ بھی آموجود ہوا تھا) کہا "تیری عزت بچانے کو ہمنے اپنی عزت کھوئی اور بہن بیٹیاں ترک کو دیں۔ راناجی اگر تمہاری شیخی نہ جھاڑ دوں تو میرا نام مان نہیں" پرتاب بولا "ہمسے ہمیشہ ملتے رہنا" کسی بے لحاظ نے برابر سے یہ بھی کہا آپنے پوپھا (اکبر) کو بھی لانا۔ اکبر اس واقعہ کو سنکر بہت بگڑا اور رانا پر فوج کشی کا حکم دیا۔

شہزادہ سلیم (جہانگیر) کے نام سپہ سالاری ہوئی۔ مان سنگھ اور مہابت خان اور بہت سے اور مسلمان اور ہندو سردار۔ ساتھ ہوئے۔ رانا پرتاب دشوار گذار پہاڑوں میں ہلدی گھاٹ کے میدان میں ڈٹ گیا۔ یہ مقام پہاڑ کی گردن پر واقع ہے۔ پہاڑ کے اوپر اور نیچے راجپوتوں کی فوجیں جمی ہوئی تھیں ٹیلوں کے اوپر جو اس مقام میں جا بجا پائے جاتے ہیں۔ اور پہاڑیوں کی چوٹیوں پر بھیل جو ان پتھروں کے کیڑے ہیں تیر و کمان لئے تاک میں بیٹھے تھے۔ کہ جب موقع آئے حریف پر بھاری پتھر لڑکائیں۔

درہ کے دہانہ پر رانا میواڑ کے سورما سپاہیوں کو لیکر ڈٹا ہوا تھا۔ غرض یہاں گھمسان کا رن پڑا۔ کئی راجاؤں اور ٹھاکروں نے اپنے بہادر رانا کی خدمت میں خون کے نالے بہائے۔ رانا قرمزی جھنڈا لئے کھڑا تھا اور چاہتا تھا کہ مان سنگھ سے دو دو ہاتھ ہوں۔ یہ ارمان تو نہ نکلا۔ سلیم نظر آیا۔ اس پر گھوڑا لیکر گرا۔ سلیم اسکے برچھے کا شکار ہو جاتا۔ لیکن اسکے ہاتھی کے فولادی تختے سپر بن گئے۔ رانا کا گھوڑا چیتک ہاتھی کے سونڈ پر قدم رکھ کر الف ہو گیا۔ اور نتھا فیلبان مارا گیا۔ مست ہاتھی بھاگ نکلا۔ لیکن سلیم سلامت بچ گیا۔ پرتاب نے سات زخم کھائے دشمن اسپر باز اور جرروں کی طرح گر۔ تے تھے۔ مگر وہ راجہ کی چتر کو نہ چھوڑتا تھا تین دفعہ دشمنوں کے رغہ میں سے بصد جد و جہد نکلا جھالا کا سردار رانا کو اس بلا سے صاف نکالکر لیگیا۔ مگر خود معہ جان نثاروں کے مارا گیا۔ مگر رانا نکل آیا۔ رانا تو

نکل گیا۔ مگر بیس ہزار راجپوت سپاہیوں میں سے فقط آٹھ ہزار جیتے بچے۔ رانا جب میدان سے بھاگا تو دو مغلوں نے تعاقب کیا۔ وہ عنقریب اسکو گرفتار کیا چاہتے تھے۔ راستہ میں ایک ندی آئی۔ جس سے گھوڑا ہرن کی طرح چاروں پتلیاں جھاڑ کر پانی پر سے اُڑ گیا۔ پیچھے سے کسی نے اس کی بولی میں پکارا۔ اے نیلے گھوڑے کے سوار۔ پرتاب نے پھر کر دیکھا تو سکٹ اسکا بھائی نکلا۔ دونوں بھائی گلے ملے۔ اور بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ سکٹ گھر سے ناراض ہوکر اکبری فوج میں ملازم ہو گیا تھا۔ لیکن اس لڑائی میں جب مغلوں کو پرتاب کے بہت قریب دیکھا تو خون نے جوش مارا۔ دونوں کو قتل کر کے بھائی سے جا ملا۔ اور اپنا گھوڑا انگاروا اُسکو دیا۔ چیتک کا دم نکل گیا اور پرتاب اپنے بھائی کے گھوڑے پر سوار ہوکر پہاڑوں میں جا چھپا۔

اس لڑائی میں رانا کے ایک ہاتھی رام پرشاد اور بادشاہ کے گجراج ہاتھی کا مقابلہ بہت دلچسپ اور قابل تعریف ہوا۔ دیر تک آپس میں ریلتے دھکیلتے رہے۔ بادشاہی ہاتھی دب نکلا تھا۔ رام پرشاد کا مہاوت گولی سے مارا گیا بادشاہی فیلبان پھرتی سے رانا کے ہاتھی پر جا بیٹھا۔ اور وہ کام کیا کہ کسی سے نہ ہو سکے۔ یہ سوار جو مان سنگھ کی اردل میں تھے۔ رانا کی فوج پر ٹوٹ پڑے اور اس زور شور سے لڑائی ہوئی کہ مان سنگھ کی سپہ سالاری اس دن معلوم ہوگئی ملا شیریں نے خوب کہا ہے ع

کہ ہندو میزند شمشیر اسلام

صبح سے دوپہر تک لڑائی ہوتی رہی۔ پانسو آدمی کا کھیت پڑا۔ ۱۲۰ مسلمان باقی ہنود۔ تین سے زیادہ مسلمان زخمی ہوئے۔ ملا عبدالقادر بدایونی بھی ہلدی گھاٹ یا کوکنڈہ کی لڑائی میں شریک تھا۔ اس نے اس لڑائی کا ہو بہو نقشہ دکھایا ہے۔ جسکو طوالت کے خوف سے قلم انداز کر دیا جاتا ہے۔ مطلب قریب قریب وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے یہ لڑائی ۱۸ جون ۷۶ھ کو ہوئی۔ اس میں سادات بارہ۔ غازی خاں۔ آصف خاں۔ مہتر خاں اور بہت سے اور مشہور چغتائی سردار شامل تھے۔ جنھوں نے کمال

شجاعت اور استقلال سے کام لیا۔ جے مل چتوڑی کا بیٹا۔ رام شاہ راجہ گوالیار اور اسکا بیٹا سالباہن جو رانا پرتاب کی کمک پر آئے تھے۔ بقول ملا جہنم واصل ہوئے۔ خس کم جہاں پاک۔

دوسرے روز شاہی لشکر کوکنڈہ پر قابض ہوا۔ ملا صاحب رام پرشاد ہاتھی اور بہت سی غنیمت لیکر بادشاہ کی خدمت میں بمقام فتح پور سیکری میں حاضر ہوئے۔ اور باقی سردار اور سپہ سالار ملک کے انتظام اور تھانے یا فوجی چوکیاں تعمیر کرنے میں مصروف ہوئے۔ اس اثناء میں دوداسنے بھی بہت سی جمعیت جمع کر لی تھی بادشاہ نے اسکے باپ راجہ سرجن اور چھوٹے بھائی بھوج کو اسکی سرکوبی پر تعینات کیا۔ اور زین خاں کوکہ کو ساتھ کر دیا۔ اس تجویز میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ ۳۰ مارچ ۱۵۷۷ء کو بوندی کا قلعہ مسخر ہو گیا اور بھوج اسکا گورنر تسلیم کیا گیا۔ دودا جان بچا کر بھاگ نکلا۔

گجرات میں دوبارہ بغاوت

گجرات میں مرزا عزیز کوکہ صوبہ دار تھا۔ لیکن بعض معاملات میں اختلاف رائے کی وجہ سے اکبر نے اسکو بلا لیا۔ ۱۵۷۶ء میں وزیر خاں صوبہ دار ہوا۔ اسکی ناقابلیت اور سوء انتظام سے ملک میں آتش بغاوت بھڑک اٹھی۔ حکم ہوا کہ معتمد الملک راجہ ٹوڈرمل جلد پہنچے۔ اس نے اول سلطان پور ملک ندربار کے علاقہ میں دورہ کیا۔ اور دفتر کو دیکھا۔ پھر بندرگاہ سورت میں آیا۔ ادھر سے بھڑوچ۔ بڑودہ۔ چانپانیر ہوتا ہوا گجرات سے گذر کر پٹن کے دفتر مالیات کو دیکھنے گیا تھا کہ مرزا کامران کی بیٹی جو ابراہیم مرزا کی بی بی تھی۔ اپنے بیٹے کو لیکر آئی اور گجرات کے علاقہ میں فساد برپا کر دیا۔ اس کے ساتھ اور باغی بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور تمام علاقہ میں غدر ہو گیا۔ وزیر خاں سامان جنگ اور قلعہ و فصیل کے ٹوٹنے پھوٹنے کا بندوبست کر کے قلعہ میں بند ہو کر بیٹھ رہا قاصدوں کو ٹوڈرمل کے پاس دوڑایا۔ وہ جس ہاتھ میں قلم پکڑے لکھ رہا تھا اُسی میں تلوار پکڑ کر چلا۔ گجرات میں آیا۔ وزیر خاں کو حوصلہ دلا کر شہر سے

باہر نکالا۔ مفسد بڑودہ پر قابض تھے۔ یلغار کرتے ہوئے چلے۔ بڑودہ سے چار کوس پر تھے کہ باغیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اور سب بھاگ نکلے۔ شاہی لشکر نے تعاقب کیا۔ کنبایت سے جوناگڑھ ہوتے ہوئے دولقہ کے تنگ میدان پر رکے اور ناچار مقابلہ ہُوا۔

حریف فوجیں اس میدان پر بالمقابل صف آرا ہوئیں۔ وزیر خاں قلب میں شاہی لشکر کے چاروں پرے چار دل طرف آراستہ۔ جن میں راجہ بائیں پر۔ غنیم نے ایک سپاہیانہ پیچ کھیلنے کی صلاح کی تھی۔ کہ صف بستہ ہوتے ہی زور شور سے حملہ کرو۔ کچھ سامنے ہو اور باقی دفعتہً بھاگ نکلو۔ اکبری بہادر ضرور تعاقب کرینگے اور راجہ ٹوڈرمل ہی آگے ہوگا۔ موقع پا کر یکایک لوٹو۔ پھر وزیر خاں اور راجہ کو گھیر کر مار ڈالو۔ مرزا مظفر حسین (ابراہیم مرزا کا بیٹا) مریل چال سے وزیر خان پر بڑھا۔ اور مہر علی کولابی کہ بانی فساد تھا۔ راجہ پر ٹوٹ پڑا۔ بادشاہی لشکر کا داہنا بازو بھاگا اور قلب نے بھی بے ہمتی کی۔ مگر وزیر خان بہت سے بہادروں کے ساتھ خوب ڈٹا رہا۔ راجہ نے اس کی شوش حالت دیکھکر جوش وخروش سے گھوڑے اٹھائے اور اس زور سے گرا کہ غنیم کی فوج کا شیرازہ انتظام درہم برہم ہوگیا۔ اس لڑائی میں دلچسپ امر یہ تھا کہ کامران کی بیٹی نے عورتوں کو مردانہ کپڑے پہنا کر گھوڑوں پر چڑھایا تھا۔ وہ خوب تیراندازی اور نیزہ بازی کرتی تھیں۔ غرض بہت سے کشت وخون کے بعد غنیم بھاگ گئے۔ اور بہت سی غنیمت چھوڑ گئے۔ بہت سے ہاتھی گرفتار ہوئے۔ ٹوڈرمل نے لوٹ کے اسباب، ہاتھی اور زنانہ قیدیوں کو جوں کا توں۔ وہی لباس اور وہی تیروکمان ہاتھ میں دیکر دربار میں بھیجا کہ حضور زنانی مردانگی کا نمونہ بھی دیکھ لیں۔ ٹوڈرمل کے بیٹے دھارا نے انہیں دربار میں پیش کیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوئے۔ مظفر حسین مرزا اندر دربار میں مفرور ہوکر بعد ازاں راجہ علی والئے خاندیس کے ہاں چلا گیا تھا۔ جس نے طویل نامہ وپیام کے بعد مرزا کو شاہی سفیر کے حوالے کر دیا۔ اور پھر وہ بہت عرصہ تک قید رہا۔ وزیر خان کی بے تدبیری تو اظہر من الشمس ہو چکی تھی۔ اس کی بجائے شہاب الدین احمد گجرات کا صوبہ دار مقرر ہُوا۔

پرتاب کی دوبارہ بغاوت

جب پرتاب کے زخم بھر گئے تو اُس نے اپنے موروثی دشمن شاہ دہلی کے مقابلہ پر پھر کمرِ ہمت چست کی۔ مگر کہاں چتوڑ کا رانا۔ اور کہاں شہنشاہ ہندوستان اکبر نے اس کے مقابلہ پر شہباز خاں کو سپہ سالار کر کے بھیجا۔ اس نے ۱۵۷۸ء میں کنبھل میر کا محاصرہ کر لیا۔ پرتاب سنگھ مزاحمت کو بے سود سمجھ کر سیناسی کے بھیس میں نکل بھاگا اور پہاڑوں میں گھس گیا۔ گوکنڈہ اور اودے پور بھی مطیع ہو گئے۔ دور اندیش شہباز خاں نے پہاڑیوں میں ۵۰ اور میدان میں ۳۵ چوکیاں تعمیر کرائیں۔ اس طرح اودے پور سے منڈل تک مضبوط گڑھیوں کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا۔ پھر اس صاحب تدبیر سپہ سالار نے دودا کو سمجھا بجھا کر بادشاہ کی اطاعت قبول کرنے پر راضی کیا۔ ابوالفضل کا قول ہے کہ اس نے ہی رانا کو بغاوت پر آمادہ کیا تھا۔ اس کے خاندان کی وفاداری اور حسن خدمات کا لحاظ کر کے اسکی جان بخشی کی گئی۔ اس وقت اکبر پنجاب میں تھا۔ اس کو شاہ کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ لیکن یہ مکار قید سے نکل بھاگا اور پھر وطن میں پہنچ گیا۔

لطیفہ

۱۵۷۷ء میں یعنی پرتاب کی مہم سے ایکسال پیشتر اور گجرات کی مہم کے زمانہ میں ایک سُرخ اور چمکدار دُمدار ستارہ طلوع ہُوا۔ جیسا کہ عام قاعدہ ہے لوگوں میں طرح طرح کی ہوائیاں اُڑنے لگیں کہ دنیا میں فساد اور لڑائیاں ہونگی۔ اور انواع و اقسام کی مصیبتیں نازل ہونگی۔ لوگوں کے خیالات کسی قدر سچ نکلے۔ کیونکہ ایک طرف فارس میں شاہ طہماسپ کی وفات پر خانہ جنگی شروع ہوئی۔ دوسری طرف ہندوستان میں گجرات کی بغاوت اور اسکے بعد رانا پرتاب سے لڑائی شروع ہوئی لیکن دربار اکبری کے مسخروں نے دمدار ستارہ کے طلوع ہونے پر بھی طرح طرح کے شوشے چھوڑے۔ چنانچہ وزیر مال شاہ منصور کا نام "دمدار ستارہ" رکھا تھا کیونکہ شاہ صاحب دربار کے تکلفات کی چنداں پرواہ نہ کرتے تھے۔ اور اپنے عمامہ کا شملہ بہت بڑھا کر رکھتے تھے۔ شاید شملہ بمقدار علم کے مقولہ پر عمل پیرا تھے۔

عبداللہ خان ازبک کے سفیر حاضر ہوتے ہیں

اسی سال عبداللہ خاں ازبک والئے توران نے اکبر کے دربار میں ایک سفارت بھیجی۔ مگر اکبر نے اسکے ساتھ بے پرواہی سے سلوک کیا۔ اس کی معمولی عزت بھی نہ کی گئی۔ عبداللہ خاں بھی اس کو خاطر میں نہ لایا۔ اور دوبارہ سفارت روانہ کی۔ اس سفارت کی دوستانہ خاطر و مدارت کی گئی۔ شاہ مذکور نے سفیروں کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ فارس میں جانشینی کے متعلق تنازعات پیدا ہو رہے ہیں۔ اگر حضور توجہ فرمائیں تو ملک کے حصے بخرے کرلیں۔ اکبر نے جواب دیا کہ فارس کا شاہی خاندان میری طرح امیر تیمور کی اولاد سے ہے۔ اور میں قدیم دوستی کو بالائے طاق رکھ کر فتح کا اقدام کرنا خلاف شان خیال کرتا ہوں۔ شاہ مذکور دم بخود رہگیا۔

اندرونی انتظام

اکبر کی سلطنت اس وقت بلحاظ وسعت ایشیا کی اکثر سلطنتوں سے بدرجہا زیادہ اور یورپین معاصر دول عظام کے ہم پلہ تھی۔ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکے اندرونی انتظام پر غائر نظر ڈالی جائے۔ گو ہم اکبر کی مختصر سوانح عمری میں اختصار کو ہاتھ سے نہ دینگے۔

(۱) بندوبست مالگذاری

اکبر کے عہد حکومت کے اوائل میں مالگذاری اور مالیات کا انتظام قدیم دستور پر چلا آتا تھا۔ جن دیہات کا جو رقبہ تھا۔ اور جو اسکی جمع تھی وہی صدہا سال سے بندھی چلی آتی تھی۔ جاگیروں کے رقبہ یا آمدنی کا واقعی حال معلوم نہ تھا۔ تجویز ہوئی کہ کل ممالک محروسہ کی پیمائش ہو جائے۔ اور جمع تحقیقی قرار پائے۔ پہلے سن کی جریب ہوتی تھی۔ اس سے تر و خشک میں فرق آجاتا تھا۔ اس لئے بانس کے ٹکڑوں میں لوہے کے حلقے ڈال کر جریبیں تیار ہوئیں۔ اور بجائے پچاس گز کے ۶۰ گز کا طول قرار دیا گیا۔ تمام اراضی خشک و تر مع اقسام زمین ریت کے

میدان - کوہستان - بیابان - جنگل شہر دریا - نہر - جھیل - تالاب - کوآں وغیرہ سب کو ناپ ڈالا - اور ذرہ ذرہ دفتر میں قلمبند کیا گیا - چنانچہ کاغذات مالگذاری میں جو جو تفصیلیں آج نظر آتی ہیں - اکبری عہد کی تحقیقیں ہیں - اور ابتک اسی طرح چلی آتی ہیں البتہ بعض اصلاحیں بھی ہوئیں ۔

ایک مربع جریب بگھہ شمار ہوتی تھی - چنانچہ بگھہ میں ۳۶۰۰ ہی گز ہوتے تھے - مذکورہ بالا پیمایش ۱۵۸۲ء میں ہوئی - اور زمین پر اسی پیمائش کے رو سے ٹیکس یا محصول عاید کیا گیا - جاگیرداروں کے پاس بڑی بڑی جاگیریں تھیں - جنکو وہ خود بہت کم ظاہر کرتے تھے - ادہر تو جاگیردار روتے تھے - ادھر جب پیمائش کے بعد ایک کروڑ دام محصول کے وصول کرنے والے کروڑی کے خطاب سے عامل مقرر کئے گئے - تو انہوں نے طرح طرح کے ظلم و ستم شروع کئے - کاشتکار انکے ظلم سے برباد ہوگئے - انکے بال بچے غلام بنادئے گئے - مگر تین برس بعد کروڑیوں نے ظلم سے جو روپیہ کھایا تھا - راجہ ٹوڈرمل کے شکنجے میں آکر سب اگلنا پڑا - غرض اس فائدہ مند اور عمدہ بندوبست کو خلط ملط کرکے سرمایہ نقصان بنایا گیا - عاملوں کی ہجویں اور قواعد آئین کے مضحکے ہوئے - انہیں میں سے جریب کے حق کسی مثنوی کا ایک دلچسپ شعر یہ ہے ؎

درنظر عبرت مرد لبیب   مار دو سر بہ کہ طناب جریب

ٹوڈرمل کی تجویز سے کل ممالک محروسہ سنہ ۹۸۲ھ میں بارہ صوبوں پر تقسیم ہوئے جو حسب ذیل ہیں - دہلی - آگرہ - الہ آباد - اودھ - بہار - بنگالہ - مالوہ - اجمیر - احمد آباد - ملتان - لاہور - کابل - اور بعد ازاں تین اور صوبے - برار - خاندیس اور احمد نگر ایزاد کئے گئے - ہر ایک صوبے کے متعلق کئی سرکاریں تھیں - جن کی کل تعداد ایک سو پانچ تھی - ہر ایک سرکار میں کئی پرگنے - اور ہر ایک پرگنے میں کئی دستور قرار دئے گئے - پرگنوں اور دستوروں کی جمع دس سال کے لئے جدا جدا مقرر ہوئی گویا دہ سالہ بندوبست ہوگیا - ۱۵۷۱ء سے ۱۵۸۰ء تک کی پیداوار کی اوسط کے لحاظ سے زرمالگذاری ایک طرح سے دوامی کردیا گیا

ایڈورڈ ٹامس نے اس بندوبست پر نکتہ چینی کی ہے کہ اس سے کاشتکار کو نقصان رہتا تھا۔ ہمارے خیال میں یہ الزام بالکل غلط ہے کیونکہ بندوبست دوامی میں یہ فائدہ تو ہر ایک کو صاف نظر آتا ہے کہ جو محصول یا مالگذاری مقرر ہوئی وہی برابر چلی جائیگی انگریزی عملداری میں ہر ایک نئے بندوبست کے بعد مالگذاری کی شرح بڑھادی جاتی ہے۔ کیا یہ زمینداروں کے حق میں مضر نہیں؟ البتہ موسم کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے دونوں صورتوں میں زمینداروں اور کاشتکاروں کے نقصان کا احتمال ہو سکتا ہے۔

مالگذاری کے وصول کرنیکے لئے درم مقرر ہوئے۔ اور محصول کے لئے یہ آئین باندھی گئی:

۱۔ بارانی زمین میں نصف غلہ حق کاشتکار۔ نصف حق شاہی۔

۲۔ چاہی زمین میں تہائی حصہ حق شاہی باقی حصہ کاشتکار۔ مگر اعلیٰ اجناس مثلاً نیشکر وغیرہ میں جن پر کاشتکاروں کی زیادہ محنت صرف ہوتی ہے $\frac{1}{5}$ یا $\frac{1}{4}$ یا $\frac{1}{2}$ تک حق شاہی۔ باقی حصہ کاشتکار۔

۳۔ اگر نقدی وصول کریں تو ہر ایک جنس کیلئے جدا جدا بگھے کے حساب سے دام مقرر تھے۔

۴۔ زمین کی چار قسمیں قرار دی گئیں۔ اور ہر ایک کیلئے محصول و شرح بٹائی جدا جدا قرار دی گئی۔ (۱) پولج جو ہمیشہ آباد رہے۔ اور اس کی طاقت کم نہ ہو۔ پرَوتی جسے کبھی کبھی خالی چھوڑ کر اس کی قوت بڑھائیں۔ چچر جس میں تین سال تک زراعت نہ ہو۔ بنجر جو پانچ سال یا اس سے زیادہ عرصے تک غیر آباد رہے۔

ممالک محروسہ کی کل زمین بادشاہ کی ملکیت تصور کی جاتی تھی۔ اس کا اختیار تھا کہ جسکو چاہے دے اور جس سے چاہے لیلے۔ کاشتکاروں کے علاوہ ہر ایک ضلع یا پرگنہ وغیرہ سے زمین کا ایک خاص حصہ معافیداران اور نوکری پیشہ لوگوں کے لئے مختص تھا۔ جنکی کسی قدر تفصیل تشریح انتظام کیلئے ضروری معلوم ہوتی ہے۔

ملازمت اور نوکری

ان دونوں شرفا کے گزارہ کیلئے دو رستے تھے۔ ایک مدد معاش دوسرے نوکری مدد معاش جاگیر تھی کہ علما و مشائخ اور آئمہ مساجد کے لئے ہوتی تھی۔ اس میں خدمت معاف تھی۔ نوکری میں خدمت بھی کرنی پڑتی تھی۔ ملازم پیشہ لوگ دہ باشی سے لیکر پنجہزاری تک سب اہل سیف ہوتے تھے۔ دہ باشی کو دس۔ بیستی کو بیس سپاہی رکھنے پڑتے تھے۔ اسی طرح دوبیستی۔ پنجہ باشی۔ سہ بیستی۔ چار بیستی وغیرہ کو چالیس۔ پچاس۔ ساٹھ۔ اسی۔ اور سو سپاہی رکھتے ہوتے تھے۔ غرض پنجہزاری تک اسی نسبت سے سپاہی مہیا کرنے پڑتے تھے۔ تنخواہ کی یہ صورت ہوتی تھی کہ حساب کے بموجب اتنی زمین کا قطعہ یا دیریا دیہات یا علاقہ یا ملک ملجاتا تھا۔ اس کی آمدنی سے اپنے ذمہ کی واجب فوج رکھتے تھے۔ اور اپنی حیثیت اور عزت و امارت کو درست رکھنا پڑتا تھا۔ جتنا کسی کا سامان اور خرچ وافر اور رفیقوں اور نوکروں کی جمیعت زیادہ ہوتی تھی۔ اُتنا ہی وہ شخص بالیاقت۔ عالی ہمت اور صاحب خانوادہ سمجھا جاتا تھا۔ اور اتنا زیادہ اور جلد اسکا منصب بڑھتا تھا۔

ملازمان مذکورین سے بعض لوگ حسب لیاقت اہل قلم کا کام بھی دیتے تھے۔ لڑائی کے موقع پر کیا اہل سیف کیا اہل قلم حسب ضرورت طلب ہوتے تھے۔ دہ باشی سے لیکر صدی دوصدی وغیرہ کل منصبدار اپنے اپنے ذمے کی فوج۔ پوشاک۔ ہتھیار۔ گھوڑے اور سامان درست کر کے حاضر ہوتے تھے۔ لیکن بدنیت منصبدار کرائے کا اسباب۔ گھوڑے وغیرہ بھی بھرتی کر لیتے تھے۔ مہم طے ہونے پر چند آدمی ضرورت کے بموجب رکھ لیتے تھے۔ اور باقی سب موقوف انکی تنخواہیں خود ہضم کرتے تھے۔ غرض ملازموں میں کچھ کنجڑے۔ بھٹیارے دھنئے جلاہے۔ کچھ جنگلی مغل۔ پٹھان۔ ترک وغیرہ بازاروں اور سراؤں سے پکڑ کر لے آتے تھے یہ لوگ قواعد دانی سے بالکل بے بہرہ ہوتے تھے۔ اور لڑائیوں میں اکثر تھوڑی سی مصیبت پیش

آنے پر لوگ دم بھاگ جاتے تھے۔ اکبری اقبال ہی تھا کہ بادشاہ کو متواتر فتوحات حاصل ہوتی تھیں۔ اس قسم کی خرابیوں کے تدارک کے لئے آئین داغ کے دستور کی تجویز کی گئی۔

(۳) آئین داغ

مذکورہ بالا خرابیوں کے انسداد کے واسطے ۱۵۷۳ء میں شہباز خاں کنبو نے صلاح دی کہ آئین داغ کا دستور مروج کیا جائے۔ جو اصل میں علاؤالدین خلجی نے ایجاد کیا تھا۔ مگر باقاعدہ طور پر شیر شاہ سوری نے اس پر عمل کیا۔ شاہ با تدبیر سمجھا کہ اگر اس حکم کی تعمیل دفعۃً عام کرینگے تو تمام امرا گھبرا اٹھینگے۔ کیونکہ پوری فوجیں رکھنی قریب قریب ناممکن ہے۔ اس لئے قرار پایا کہ دہ باشی اور بیستی منصب داروں سے موجودات شروع ہو۔ اور وہ اپنے اپنے سواروں کو لیکر چھاؤنی میں حاضر ہوں۔ اور فہرست کے ساتھ پیش کریں۔ ہر ایک کا نام۔ وطن۔ عمر۔ قد و قامت۔ خط و خال غرض تمام حلیہ لکھا جائے۔ موجودات کے وقت ہر نکتہ مطابق کرنا پڑتا تھا۔ اور فہرست پر نشان ہو جاتا تھا۔ اس کو بھی داغ کہتے تھے۔ ساتھ اس کے گھوڑے پر لوہا گرم کر کے داغ لگاتے تھے۔ اس عمل درآمد کا نام آئین داغ تھا۔ ذوق مرحوم نے اسی اصلاح کی طرف ذیل کے شعر میں اشارہ کیا ہے۔

کہتی ہے ماہئے بریاں کو دیران قضا داغ دیتے ہیں اُسے جسکو درم دیتے ہیں

مگر باوجود اس پابندی کے بھی کرائے کے گھوڑے اور ملازم رکھنے کا دستور حسب خواہش موقوف نہ ہوا۔ اور بدنیت کسی نہ کسی طرح موجودات کے وقت مقررہ تعداد بھگت دیتے تھے اور پھر خود غرضی کے خیال سے نوکروں کو موقوف اور گھوڑوں کو مالکوں کے حوالے کر دیتے تھے۔ اکبر سب کچھ جانتا تھا لیکن مصلحت کی نظر سے خاموش ہو رہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ سب کا گزارہ ہوتا رہے سوا دو اسپہ و یک اسپہ تو عام بات تھی۔ مگر پرورش کی نظر نے نیم اسپہ کا آئین نکالا یعنے جن بہادر سپاہیوں کو گھوڑا رکھنے کی طاقت نہ ہوتی تھی۔ وہ دو دو مل کر ایک گھوڑا رکھ سکتے تھے۔ اور باری باری سے کام دیتے تھے۔

ابوالفضل آئین اکبری میں تحریر کرتا ہے۔ کہ بادشاہی اور یا جاگذار راجوں کی سپاہ ملاکر ۴۴ لاکھ سے زیادہ سوار تھے۔ جاگیردار منصب داروں کی فوج کے علاوہ ایک اور سپاہ تھی۔ یعنے اکثر بہادروں نے شرافت۔ اطوار۔ اور اعتبار کے جوہر سے منتخب ہوکر حضوری رکاب میں عزت پائی تھی۔ یہ لوگ پہلے پکے کہلاتے تھے اپ احدی کا خطاب ملا۔ بعض کو داغ سے معاف بھی رکھا جاتا تھا۔ تنخواہ ایرانی۔ تورانی کی ۲۵ روپے۔ ہندی ۲۰۔ خالص ۱۵۔ اس کو برآوردی کہتے تھے۔ جو منصب دار خود سوار اور گھوڑے مہیا نہ کرسکتے تھے۔ انہیں برآوردی سوار دئیے جاتے تھے۔ دہ ہزاری ہشت ہزاری۔ ہفت ہزاری منصب تینوں شہزادوں کے لئے خاص تھے۔ امرا میں انتہائے ترقی پنجہزاری تھی۔ اور کم سے کم دہ باشی منصب داروں کی تعداد ۶۶ تھی۔ کہ لفظ اللہ کے عدد ہیں۔ بعض متفرقات کے طور پہ تھے جو یادری یا کمکی کہلاتے تھے۔ جو داغ دار ہوتے تھے انکی عزت زیادہ ہوتی تھی۔

اعلیٰ شاہی ملازم ذیل میں وکیل یعنی شہنشاہ کا قائمقام وزیر اعظم اور چانسلر۔ اس سے نیچے مہردار۔ میر منشی۔ میر تزک۔ میربار۔ اور میر منزل وغیرہ تھے۔

(۴) آئین صراف

صرافوں اور مہاجنوں نے اپنے فائدے کی غرض سے شاہان سلف کے سکوں پر بٹا لگانا شروع کیا۔ جس سے غریبوں اور مفلسوں کو بہت نقصان ہوتا تھا۔ منصف مزاج اور عادل بادشاہ نے حکم دیا کہ پرانے روپے جمع کرکے سب گلاڈالو۔ اور ہماری قلمرو میں یک لخت ہمارا سکہ جاری ہوجائے۔ اور نیا پرانا ہر سنہ کا سکہ یکساں سمجھا جائے۔ جو گھس پس کر بہت کم ہوجائے۔ اسکے لئے آئین وقواعد مقرر ہوئے۔ پرانے سکے جمع کرنے میں شاہی خزانہ کو بے حد نقصان ہوا۔ سیہ کاروں نے شرارت سے منہ نہ موڑا۔ سزائیں پاتے تھے اور اپنی کرتوتوں سے باز نہ آتے تھے۔ سونے۔ چاندی اور تانبے کے سکے مروج ہوئے ۴۲ ٹکسالیں تھیں۔ بڑی بڑی ٹکسالیں آگرہ۔ احمد آباد۔ الہ آباد۔ اجین۔ سورت۔ دہلی۔ پٹنہ۔ لاہور۔ اودھ۔ اجمیر اور پٹن میں قائم ہوئیں۔ سکوں

کے بنانے میں خالص سونا۔ چاندی اور تانبا استعمال ہوتا تھا۔ سکوں کی مختلف اقسام طوالت کے خوف سے قلم انداز کی جاتی ہیں۔

(۵) معافی جزیہ

مسلمان بادشاہ عموماً ہندوؤں سے جزیہ لیا کرتے تھے۔ سلطنت کے انقلابوں میں کبھی موقوف بھی ہو جاتا تھا۔ لیکن زیادہ تر وصول ہی ہوتا تھا۔ اکبر کی سلطنت نے استقلال پکڑا تو ملاؤں نے پھر یاد دلایا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں " انہی دنوں میں شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک کو فرمایا کہ تحقیق کر کے ہندوؤں پر جزیہ لگاؤ۔ مگر پانی پر تحریر ہوا تھا جھٹ مٹ گیا، پھر ۹۸۷ھ ہجویہ طرز میں ارقام کرتے ہیں تمغا یعنے محصول اور جزیہ کہ کئی کروڑ کی آمدنی تھی۔ اس سال میں موقوف کر دیا۔ اور تاکید کے ساتھ فرمان جاری ہوئے" بادشاہ نے پچیسویں سال جلوس میں مصلحت ملکی اور تالیف قلوب کے خیال سے جزیہ کو بالکل موقوف کر دیا۔ اس خبر کو سنکر گھر گھر خوشیاں ہوئیں اور زبان زبان پر شکرانے جاری ہو گئے۔ اسی طرح اور بہت سے محاصل مثلاً گاؤ شماری۔ سر درختی۔ بال کاٹی (فصل کاٹنے کا محصول) وغیرہ بالکل معاف ہو گئے۔ گھاٹوں اور پلوں وغیرہ کے محصول میں تخفیف کر دی گئی غرض رعایا نہال اور فارغ البال ہو گئی۔

(۶) دھرم پورہ خیر پورہ

۱۵۸۳ء میں اکبر نے فتح پور سیکری کے باہر فقرا کے استعمال اور رہائش کیلئے دو مکان بنوائے ایک کا نام دھرم پورہ اور دوسرے کا نام خیر پورہ تھا۔ ان مکانات میں ہندو اور مسلمان فقرا اترتے تھے۔ بلکہ آزاد صاحب تحریر کرتے ہیں کہ شہروں اور منزلوں میں جا بجا دو دو مقام مقرر ہوئے۔ کہ ہندو مسلمان وہاں کھانا کھائیں۔ اور بسامان آسائش سے آرام پائیں۔ الخ۔

جب اکبر اجمیر یا کسی اور مقدس مقام کی زیارت کرنے جاتا تھا۔ تو بیشمار روپیہ فقرا و مساکین۔ مسافروں وغیرہ کو تقسیم کرتا تھا۔ باوجود اس دریا دلی کے اسکی سالانہ

آمدنی ۲ کروڑ بیس لاکھ پونڈ یعنے ۴۸ کروڑ روپے سالانہ کے قریب تھی۔ اور موجودہ روپیہ کی قیمت کا خیال رکھا جائے تو اس سے بھی بہت بڑھ کر تھی۔

اکبر کی صائب تدبیر۔ حسن لیاقت۔ خوش انتظامی کا اس امر سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ بعض عہدوں کے نام اس وقت سے آج تک وہی چلے آتے ہیں گو امتداد زمانہ سے انکے فرائض اور بعض حالتوں میں نام میں ترمیم و تغیر ہو گیا ہے عدالتہائے فوجداری کا جج فوجدار کہلاتا تھا۔ کوتوال پولیس کا افسر اعلےٰ تھا۔ خزانچی اور محاسب دیوان کہلاتا تھا۔ تنخواہ تقسیم کرنے والے عہدہ دار کا نام بخشی تھا۔ مالگذاری جمع کرنیوالا افسر تحصیلدار اور سپردار وغہ کہلاتا تھا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اکبر کے دربار میں بعض روشنضمیر اور اعلےٰ درجہ کے مدبر بھی موجود تھے۔ جنہوں نے شیر شاہ کے عہد میں بندوبست اراضی۔ اور ملکی انتظام وغیرہ کے بارہ میں تربیت پائی تھی۔ اور وہ اسکو ہر وقت مفید مشورہ دیا کرتے تھے لیکن اس مشورہ سے فائدہ اُٹھانا۔ اور اسکے فوائد کو جانچنا بھی اکبر ہی کا کام تھا بعض حالتوں میں اکبر کے احکام بعض تنگ دل ملانوں یا مسلمانوں کی رائے کے بالکل مخالف ہوتے تھے۔ وہ ہر چند واویلا کرتے تھے۔ لیکن عالی ہمت کشادہ دل۔ فیاض اور دوربین مدبر بادشاہ انکو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اور جو کچھ مصلحت سمجھتا تھا کر گذرتا تھا۔ امرا کی طاقت کو کم کرنا اور پھر انکو اپنا طابع و فرمانبردار بنانا اسی کا کام تھا۔ ہندو مسلمانوں کو شیر و شکر کرنے میں اکبر کے سوا کسی کو کامیابی نہیں ہوئی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اکبر سے پہلے یا اس کے بعد کسی مسلمان بادشاہ کو اسکا خیال تک بھی نہیں آیا۔ اکبر نے بہت سی مذموم رسموں کو موقوف کرنیکا حکم دیا۔ چنانچہ ستی کے بارہ میں حکم ہوا کہ جبتک عورت راضی نہ ہو اسکو اسکے خاوند کی لاش کے ساتھ نہ جلایا جائے۔ البتہ ایک بات میں اکبر نے بھی غلطی کھائی اور سخت غلطی کھائی۔ یہ کہ غیر قوموں سے ہتھیار نہ لئے۔ اور تھوڑے زمانہ کے بعد جب سلطنت مغلیہ کو کسی قدر ضعف آیا تو چونکہ غیر قوموں کے پاس ہتھیار موجود تھے انہوں نے خود مختار سلطنتیں قائم کر کے مغلیہ بادشاہت کو تقریباً نیست و نابود کر دیا۔

جاگیرداران بنگالہ کی بغاوت

دنیا میں عام قاعدہ ہے کہ انسان کی عمر جوں جوں بڑھتی ہے۔ اسکو کاروبار اور معاملات میں دقتیں اور مشکلات پیش آتی ہیں۔ اور اگر اس کی طبیعت میں استقلال صبر اور تحمل کا کافی مادہ نہ ہو۔ تو اُن سے کماحقہ عہدہ بر آ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کوہ مصیبت کے ناگہاں ٹوٹ پڑنے سے انسان پس جاتا ہے۔ مہائم سلطنت میں بھی یہی حال ہے۔ جب سلطنت کو وسعت ہوتی ہے۔ بادشاہ کو نئی نئی مشکلات اور پیچیدگیاں پیش آتی ہیں۔ اور سچی عظمت کا مالک وہی بادشاہ ہوتا ہے۔ جو ان مشکلات پر غالب آئے۔ اور پیچیدگیوں کو سمجھا سکے۔

ہم سلسلہ واقعات کے ترتیب سے ۱۵۷۶ء تک پہنچ گئے ہیں۔ اسوقت اکبر کی عمر چونتیس سال کی تھی اور تخت ہندوستان پر بیس سال سے جلوہ افروز تھا۔ نوجوانی کی حالت میں اس نے ہمت اور اعلےٰ قابلیت کا بارہا ثبوت دیا تھا۔ اور مشکلات سلطنت پر غالب آیا تھا۔ اب وہ پورا جوان اور تجربہ کار ہو گیا تھا۔ اسکو اپنے عالی منصب اور قدر و منزلت کا اور بادشاہت کے اعلےٰ فرائض کا پورا پورا خیال تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی بادشاہت کی بنا کو مضبوط اور دیگر سلاطین کے واسطے نمونہ بنا دے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اکبر کی سلطنت بلحاظ وسعت کے بابر اور ہمایوں کی مملکت کے مساوی بلکہ اُس سے زیادہ ہو گئی تھی۔ اس نے اپنے والد کے وہ علاقے جو بھائیوں کی کوتاہ اندیشی اور خود ہمایوں کی بد تدبیری سے ضائع ہو گئے ازسرنو زیرنگین کر لئے تھے۔ اب اس کی سلطنت رومتہ الکبرے سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔ اسکے جنوب میں کوہستان بندھیاچل۔ شمال میں کوہستان ہمالیہ کی برفانی چوٹیاں مشرق میں کٹک واقع تھا۔ اس وسیع سلطنت کی تمام مساجد میں اسکے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا ان خطوں میں اسی کا سکہ جاری تھا تمام صوبوں میں اسکے نامزد کئے ہوئے صوبہ دار مقرر ہوتے تھے۔ اسکے فرامین سے امراکو جاگیریں اور منصب عطا ہوتے تھے۔ اس سلطنت کی چپہ چپہ زمین لینے کے

واسطے اسکو خونریز لڑائیاں کرنی پڑی تھیں۔ اس نے افغانوں۔ پٹھانوں۔ ازبکوں اور راجپوتوں کو زیر کر لیا تھا۔ اور بنگالہ اور گجرات پر تسلط بٹھالیا تھا۔ جب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا نتائج صرف ایک شخص کی مساعی جمیلہ۔ مستعدی اور استقلال سے پیدا ہوئے تھے۔ اور وہ لاکھوں انسانوں پر بزور شمشیر حکومت کرتا تھا۔ تو ہم مظفر و منصور بادشاہ کی بے اختیار تعریف کرتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ اکبر نے فتح و نصرت کا سہرا ہی حاصل کیا تھا۔ بلکہ بطور مدبر اور منتظم اور ذاتی خصلت کے لحاظ سے بھی وہ عدیم المثال تسلیم کرنا پڑتا ہے بیشک اکبر کے بزرگوں مثلاً تیمور وغیرہ نے دریائے سندھ سے گنگا تک کا ملک تاخت و تاراج کر ڈالا تھا۔ لیکن پہلے کسی نے ملک کی ترقی اور عادلانہ و مدبرانہ انتظام کا خیال نہ کیا تھا۔ اکبر کی عظمت کا راز یہی ہے۔ یعنے جب اسکو فتح حاصل ہوتی تھی تو کامیابی کی وجہ سے بے اختیار نہ ہوتا تھا۔ بلکہ مغلوب دشمنوں کی تالیف قلوب اور معاوضہ دینے کا بندوبست کرتا تھا۔ اور اپنی سلطنت میں نظام اور تہذیب پھیلانے کی تجاویز سوچتا اور انکو معرض عمل میں لاتا تھا۔

اکبر مسلسل فتوحات سے ایک وسیع سلطنت کا مالک ہو گیا تھا۔ اور مسلمانوں اور ہندوؤں کے شیر و شکر کرنے میں قدرے کامیاب ہوا تھا۔ ہندوؤں کو مطیع و منقاد کر کے اعتبار و اعتماد کے عہدوں پر سرفراز کیا تھا۔ لیکن اس سے اکثر ناعاقبت اندیش حاسد جلتے تھے۔ اختلاف مذاہب اور اختلاف قوم سے اسکو تازہ پیچیدگیاں پیش آئیں۔ اور یہ اسی باہمت کا کام تھا کہ ان مشکلات پر غالب آیا۔ اگر کوئی تنگ ظرف یا کم ہمت بادشاہ ہوتا تو گونا گوں مشکلات سے مایوس ہو جاتا اکبر کو سلطنت کی وسعت بڑھانے کے باوجود اس کے استحکام اور مضبوطی کا خیال دامنگیر رہتا تھا۔ اور وہ اس خیال کو پورا کرنے کے واسطے چند اصلاحیں کرنا چاہتا تھا۔ مطلوبہ اصلاح کے لئے دو باتیں نہایت ضروری تھیں۔ اول یہ کہ امرا اور جاگیرداروں کی طاقت کم کر دی جائے۔ اور انکے پاس صرف اسی قدر جاگیر رہے جو مقررہ سپاہ کے قیام کے لئے ضروری ہے دوم یہ کہ ملکی معاملات میں تنگ خیال علما کے فتووں پر عمل نہ کرنا پڑے

اور خود ہی مصلحت کو مد نظر رکھکر احکام صادر کرے۔ اکبر کے اراکین دربار میں سوائے ابوالفضل اور راجہ ٹوڈرمل کے بادشاہ کے اسطے اخیال کو کوئی بھی کما حقہ نہ سمجھ سکا۔ خود غرض اور ہوسی امرا و جاگیردار اور دنیاو عزت کے طالب علما ہر دو گروہ اسکے سخت مخالف ہو گئے۔ علما کا قاعدہ تھا کہ اپنے حریف علما اور بادشاہ وقت کو شریعت کے زور اور فتووں کی فوج سے دبا لیا کرتے تھے۔ کافر بنا کر رسوا و خوار کرتے تھے۔ بادشاہ وقت کو بغاوت عام کے خطر پیدا کر کے ڈرایا کرتے تھے۔ بعض حالتوں میں اس قسم کا زور ناگوار گذرتا ہے خصوصاً بادشاہ اور ملکی مصلحتیں کسی مذہبی پابندی کو نہیں سہار سکتیں۔ اکبر دل میں دق ہوتا تھا مگر حیران تھا۔ ایک تقریب پر شیخ مبارک ابوالفضل کے والد اکبر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اکبر نے ان سے بعض بعض مسائل بیان کئے۔ اور اہل اجتہاد کے سبب سے جو دقتیں پیش آتی تھیں وہ بھی بیان کیں۔ شیخ مبارک نے کہا کہ بادشاہ عادل خود مجتہد ہے۔ مسئلہ اختلافی میں بہ مناسبت وقت جو مصلحت ہو۔ حکم فرمائیں۔ غرض آپکو ان سے پوچھنے کی کچھ حاجت نہیں۔ چنانچہ شیخ موصوف نے ایک فتوے آیتوں اور روایتوں کی اسناد سے لکھا۔ اور اکبر کے سامنے تمام علما دربار نے اس پر طوعاً و کرہاً دستخط کر دئے۔

جاگیروں اور اوقاف وغیرہ کی ضبطی کا معاملہ پیش آیا۔ تو بہت سے علما اور امرا و جاگیردار بر سر فساد ہو گئے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ تمام علما اور امرا کی جاگیری ضبط ہوئی تھیں۔ بلکہ صرف ان لوگوں کی جنکے پاس جاگیر حاصل کرنیکی باقاعدہ سند نہ تھی۔ یا جاگیریں ضرورت سپاہ وغیرہ سے بہت زیادہ تھیں۔ لیکن اس میں بھی کلام نہیں کہ اس حکم کی تعمیل میں اکثر اوقات ضرورت سے زیادہ شدت کی گئی۔ مغل سردار اپنی جاگیروں میں نیم خود مختار رہا کرتے تھے۔ اور مقررہ سپاہ کی رپورٹ یا نمائش کے وقت طرح طرح کے حیلوں سے کام لیتے تھے۔ ان خرابیوں کے تدارک اور شاہی اقتدار کو غالب کرنیکے خیال سے دو فرمان صادر ہوئے۔ اول یہ کہ امرا آئین داغ پر عمل

پیرا ہوں۔اسکی مفصل کیفیت اوپر بیان ہوچکی ہے۔اعادہ کی ضرورت نہیں۔دوسرے یہ کہ جاگیردار تحریری سندیں پیش کریں جنکے رو سے وہ جاگیروں پر قابض ہیں۔ اس سے جاگیرداروں کے قبضہ سے ایسی اراضی نکل گئیں جو سندوں میں درج نہ تھیں۔جونپور کے قاضی القضاۃ نے فتوے دیدیا کہ بادشاہ وقت ملحد ہے۔اسپر جہاد کرنا ثواب ہے۔غرض علما اور امرا وغیرہ خودغرضی اور دنیاوی طمع کے خیال سے مقابلہ کو اٹھ کھڑے ہوئے۔اکبر کو سلطنت کے دو بڑے گروہوں سے مقابلہ کرنا پڑا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ علما کا زور بالکل ٹوٹ گیا۔اور جاگیردار بخوبی مطیع و منقاد ہوگئے بنگالہ و بہار اور اودھ وغیرہ میں امرا اور جاگیرداروں کی بغاوت کا مختصر حال تشریح مقاصد کے لئے ضروری معلوم ہوتی ہے۔

۹۸۷ھ میں خان جہاں حسین قلی خاں کی بجائے خواجہ مظفر علی المخاطب بہ مظفر خاں ملک بنگالہ کے صوبہ دار ہوئے۔انہوں نے آئین داغ اور جاگیروں کی سندات کی پڑتال وغیرہ میں اسقدر شدت کی کہ کام خراب کردیا۔تمام امرا باغی ہوگئے۔اسی طرح خواجہ شاہ منصور نے جونپور میں بے حد سختی کی۔اور نتیجہ بھی ہوا جو بنگال میں ہوا تھا۔غرض ایک چغطائی قبیلہ قاقشال جو بہت زبردست اور جنگجو آمادہ پرخاش ہوگیا۔شہر گور میں انکی بہت سی جمیعت اکٹھی ہوگئی۔اور انہوں نے مظفر خاں کے مال واسباب اور جائداد کو تباہ کردیا یا اپنے تصرف میں لے لیا مظفر خاں نے اس شورش کو بہت سی سپاہ سے فی الفور فرو کرنیکی بجائے اپنے دیوان رائے پترداس اور حکیم ابوالفتح صدورا میں بنگالہ کو تھوڑی سی سپاہ دیکر بھیجا۔جنکو شکست ہوئی۔جب اکبر کو ان واقعات کی خبر پہنچی۔تو اس نے لکھا کہ قاقشال لوگوں کے ساتھ اتنی سختی نہ کرنی چاہئے تھی۔انکے ساتھ صلح کرکے امید دلاؤ کہ ہم انکے ساتھ خاص رعائتیں کرینگے۔لیکن اس قبیلہ کے ساتھ جو بدسلوکی ہوئی تھی اور بالخصوص اسکے ایک سردار بابا خان کی ہتک سے تمام سردار غصے سے بیتاب ہو رہے تھے۔انہوں نے ایک نہ سنی۔اور لڑائی بدستور جاری رہی۔

ادھر ملک بہار میں بغاوت شروع ہوئی۔وہاں عرب بہادر۔محمد معصوم

کابلی اور دیگر امرا نے ملا محمد یزدی قاضی القضاۃ سے شہنشاہ کے خلاف وہ فتوے حاصل کیا تھا۔ جسکا اوپر ذکر ہو چکا ہے اسوقت کابل۔ گجرات اور مالوہ میں بھی بغاوت کا زور تھا۔ اور راجپوتوں نے بھی مخالفت پر کمر ہمت چست کی ہوئی تھی۔ غرض سلطنت مغلیہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک طوفان بے تمیزی مچا ہوا تھا راجپوتوں کی سرکشی کا مجمل ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ بنگالہ بہار اور مالوہ کی بغاوت اور اسکا انصرام ابھی بیان ہوگا۔ گجرات اور کابل کا اپنے موقع پر ہوگا۔ بالفعل یہ بتانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کے سوتیلے بھائی مرزا محمد حکیم صوبہ دار کابل کے جاسوس ہندوستان کے لوگوں کو ابھارتے اور مرزا کی حمایت اور اکبر کی مخالفت کی ترغیب دیتے پھرتے تھے۔

بہار کے باغیوں اور بادشاہی لشکر کے درمیان ایک خفیف سی لڑائی ہوئی باغیوں نے افسران مالگذاری یعنے ملا طیب اور بخشی رائے پر دکھوتم کے مکانات پر دھاوا کر کے لوٹ لیا۔ ملا طیب تو فرار ہو گیا۔ لیکن بخشی عرب بہادر کے ساتھ لڑتا ہوا اپنے آقائے نامدار کے نام پر قربان ہوا۔ اس سے باغیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور سب نے یکجہتی اور اتفاق کرنیکی صلاح ٹھیرائی۔ معصوم کابلی محمد حکیم مرزا کا کوکہ تھا۔ اور تاریخوں میں اسکو معصوم عاصی لکھتے ہیں۔ غرض معصوم عاصی قبیلہ قاقشال کی امداد کے لئے روانہ ہوا۔ مظفر خان نے اس لشکر کے مقابلہ اور کلید بنگالہ گڑھی کے ناکہ روکنے کے خواجہ شمس الدین خافی کو بھیجا۔ لیکن اسکو ہزیمت ہوئی اور معصوم عاصی گڑھی پر قابض ہو گیا۔ اور اسکے قریب کے درہ سے گذر ملک بنگالہ میں داخل ہو قاقشال لوگوں سے ملگیا۔ شاہی لشکر اور باغیوں کے درمیان مسلسل لڑائیاں ہونے لگیں۔ جن میں چیرہ دستی عموماً اکبری بہادروں کو ہی حاصل ہوتی تھی۔ اور باغی متواتر ہزیمتوں سے تنگ آکر ملک اوڑیسہ میں فرار ہوا چاہتے تھے کہ بادشاہی لشکر کے بہت سے امیر مثلاً وزیر بیگ جمیل۔ جان محمد بہبودی۔ شریف علی بدخشانی۔ وغیرہ اپنے سپاہیوں سمیت باغیوں میں جا ملے۔ مظفر خاں نے خواجہ شمس الدین کو دشمنوں کی سپاہ کی دیکھ بھال کرنے کے لئے بھیجا۔ لیکن اس نے حزم و احتیاط کو بالائے طاق رکھکر دشمنوں کی ایک بہت بڑی سپاہ پر حملہ کر دیا۔ غرض پھر شکست ہوئی۔ خواجہ کو

معصوم عاصی کے سامنے لے گئے۔ جس نے اس کی بہت خاطرداری کی۔ بعد از اں ایک معقول رقم لیکر چھوڑ دیا۔

مظفر خاں نے جب دیکھا کہ باغیوں کی سپاہ آئے دن بڑھتی جاتی ہے۔ اور کھلے میدان میں مقابلہ کرنا بہت مشکل اور خطرناک ہوگیا ہے قلعہ ٹانڈہ میں بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھ گیا۔ اس قلعہ کی حفاظتی تعمیرات مثلاً فصیل دمدمے اور مورچے چنداں مضبوط نہ تھے۔ بلکہ نظام الدین احمد اور بدایونی نے اسکی نسبت کہا ہے کہ "یہ چار دیواری سے بہتر نہ تھا" پہلے پہل غنیم کو اس قلعہ پر حملہ کرنیکی جرات نہ ہوئی معصوم عاصی نے لکھ بھیجا کہ اگر آپ قلعہ حوالے کر دیں تو آپکو صحیح وسلامت قلعہ سے نکلنے اور اپنی جائداد کے ایک ثلث لیجانیکی اجازت ہوگی۔ لیکن مظفر خاں میں خواہ اور کتنے ہی قصور ہوں۔ نمکحرامی کا خیال تک اپنے پاس نہ پھٹکنے دیتا تھا۔ شرائط کو کمال حقارت سے رد کیا۔ اور بیس ہزار اشرفیاں بھیجکر کہا کہ اگر ٹانڈہ پر حملہ کیا جائے تو میرے خاندان کی مستورات سے بدسلوکی نہ کی جائے۔ معصوم عاصی کی نیت بگڑی ہوئی تھی۔ اشرفیاں لیکر مستورات کی حفاظت کا وعدہ کیا۔ جس روز قلعہ فتح ہوا۔ مظفر خاں حرم سرائے کے دروازے پر شمشیر بکف کھڑا تھا۔ ریاکار معصوم عاصی نے ادھر مظفر خاں کو سلام کیا۔ ادھر حرم سرائے سے مستورات کے آہ و بکا کی فریاد سنائی دی۔ کیونکہ معصوم کے سپاہی ایک عقبی دروازے سے حرم سرائے میں گھس گئے تھے۔ مظفر خان مستورات کی امداد کے لئے دوڑا۔ لیکن ایک دشمن دغاباز دشمن کی تلوار سے جان بحق تسلیم ہوا۔ دشمنوں کو بہت سا خزانہ اور لشکر شاہی کا مال و اسباب ہاتھ آیا۔ لیکن مظفر خان کا ۸ لاکھ روپیہ معلوم نہ ہوا۔ اسکا حال ایک شاہی قیدی مرزا شرف الدین حسین کو ہی معلوم تھا۔ یہ وہی مرزا شرف الدین حسین ہے جس نے گجرات میں بغاوت کی تھی۔ اکبر نے اسکو مظفر خان کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ خزانہ لیکر شرف الدین باغیوں میں جا ملا۔ چونکہ وہ تیمور کی نسل سے تھا۔ باغیوں نے اسکو اپنا سردار تسلیم کیا۔ مئی ۱۵۷۹ء میں باغیوں نے اپنے افعال ناہنجار کو جائز قرار دینے کے لئے مرزا محمد حکیم کو اپنا بادشاہ مشتہر کیا۔ اور مرزا شرف الدین حسین کو سپہ سالار بنا کر جاگیریں۔ انعام۔ خطابات اور

غنیمت وغیرہ تقسیم کرنے لگے۔

اس اثناء میں مظفر ثالث دعویدار گجرات قیدخانہ سے نکل اپنے ملک میں جا پہنچا۔ اور محمد حکیم نے پنجاب پر حملہ کرنیکا قصد کیا۔ اکبر کو تمام واقعات کی ذرا ذرا خبر پہنچتی تھی اسکا تخت ٹھرا ہاتھا۔ لیکن وہ خود مستقل اور مطمئن تھا۔ اور دلجمعی سے فتح پور سیکری میں بیٹھا واقعات سُن رہا تھا۔ اکبر کی شجاعت اور بہادری کے کارنامے پہلے بھی بیان ہو چکے ہیں۔ بوقت ضرورت وہ تلوار لیکر دشمنوں میں گھس جایا کرتا تھا۔ اور اکثر متمرد دشمنوں کو اس نے خود اپنے ہاتھ سے طعمہ اجل بنا دیا تھا۔ چنانچہ جیمل چتوڑ کا ہیرو اسی کی گولی سے جہنم رسید ہوا تھا۔ اب کہ وہ پختہ سال جوان ہو گیا تھا۔ وہ سلطنت کے قلب میں مطمئن بیٹھا موقع کا منتظر تھا۔

اکبر نے مصلحت ملکی کے خیال سے ٹوڈرمل کو بنگالہ کی مہم کا خاطر خواہ فیصلہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اور اُس کے ساتھ اکثر راجگان ہندوستان کر دئے۔ اس لیاقت والے نے مہم کو بڑے تحمل اور سوچ سمجھ کے ساتھ انجام دیا۔ تدبیر اور شمشیر کے عمدہ جوہر دکھائے۔ مرزا شرف الدین، معصوم عاصی اور قاقشالوں کی جمعیت تیس ہزار۔ نو سو ہاتھی، جنگی کشتیاں اور توپخانہ تھا۔ انھوں نے راجہ کو کھلے میدان میں لانیکی تحریص دلائی۔ لیکن وہ انکی چالوں میں کب آتا تھا۔ منگیر میں قلعبند ہو کر بیٹھا اور چونکہ قلعہ میں تمام سپاہ کے لئے گنجایش نہ تھی۔ اس کے باہر ایک مستطیل قلعہ میں بارکیں اور انکے گرد مورچے ڈال لئے۔ اور بادشاہ کو کمک بھیجنے کے لئے عرضداشت روانہ کی۔ گو کئی سردار اب بھی ہو دشمن سے جا ملے لیکن بادشاہ برابر روپیہ اور رسد بھیج رہا تھا۔ ٹوڈرمل نے قرب وجوار کے باشندوں سے سامان باز کرکے دشمنوں کی رسد کی آمدورفت بند کردی۔ تھوڑے دنوں میں انکو قحط اور ایک سخت زبوں حالی محسوس ہونے لگا اور یہ کہ سب کی خراب آب و ہوا سے سینکڑوں باغی مرتے تھے۔ باباخان قاقشال انہیں دنوں میں بیمار ہو گیا اسکا ایک رشتہ دار جباری شیر سے محاصرہ سے ہاتھ اٹھا کر اس کی تیمارداری کے لئے چلا گیا۔ تو فرصت یہاں تک پہنچی کہ معصوم عاصی شاہی فوج کا پرا بھاگتا دیکھکر بہار میں چلا گیا۔ اور عرب بہادر نے قبضہ کر کے شہر پٹنہ پر قبض جو گیا۔

اب ہم بہار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس صوبہ میں بہادر نامی ایک شخص نے علم بغاوت بلند کر کے خود مختاری کا اعلان کیا تھا۔ اور اپنے والد جاگیردار زمیندار سید بدخشی کو قید کر لیا تھا۔ شاہم خاں جلایر شاہی سردار نے حاجی پور میں علم شاہی بلند کیا۔ اور دشمن کو شکست دی۔

راجہ ٹوڈرمل اور صادق خاں نے معصوم عاصی کا تعاقب کیا۔ ستمبر ۱۵۸۰ء میں بلاد بہار کے اندر غنیم نے فوج شاہی کے ہراول پر زور شور سے دھاوا کیا اور قریب تھا کہ اسکو شکست ہو۔ مگر صادق خاں ایک کمکی فوج اور دو ہاتھیوں کے ساتھ عین وقت پر حملہ آور ہوا۔ اور معصوم عاصی دم دبا کر نکل بھاگا۔ اس طرح بہار کا ملک گڑھی تک دشمنوں سے صاف ہو گیا۔ مگر لشکر شاہی نے مزید تعاقب نہ کیا۔ اکبر کو تمام معرکہ کی کیفیت پایہ تخت میں معلوم ہو رہی تھی۔ اسوقت مناسب معلوم ہوا کہ مرزا عزیز کوکہ کو فوج بنگالہ کا سپہ سالار مقرر کرے۔ غرض عزیز کو خان اعظم کا خطاب اور پنجہزاری منصب مرحمت کر کے بنگال کی طرف روانہ کیا۔ اور ساتھ ہی عزیز کے چچا شریف خاں کو جو پہلے مورد عتاب تھا۔ خلعت فاخرہ عطا کر کے مالوہ کے سرکشوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ مصلحت ملکی کے خیال سے شہباز خاں کنبوہ بھی عزیز کے ہمراہ کر دیا گیا تھا۔ اسوقت ٹوڈرمل منگیر کے قلعہ میں تھا۔ اور دشمن نے رسد بند کر کے اسکو تنگ کر رکھا تھا۔ تاہم بایں ہمہ اس نے دشمن کی تین سو کشتیاں گرفتار کر لی تھیں۔ عزیز کوکہ برمحل پہنچا۔ وہ غیاث پور تک چلا گیا تھا۔ وہاں سے شاہم خاں جلایر کو عرب بہادر کے مقابلہ پر روانہ کیا جو سارنگ پور میں تھا۔ اور تمازی خاں بدخشی کو بہار میں امن قائم کرنیکے لئے بھیجا۔ ترسون خاں کو معصوم خاں فرنخودی رئیس مذکورہ صدر معصوم نہیں، کے مقابلہ کے لئے بجانب جونپور روانہ کیا۔ لیکن معصوم خاں فرنخودی کسی امر سے بگڑ کر باغیوں میں جا ملا۔ شہباز خاں اسکو دباتا ہوا چلا۔ لیکن معصوم خاں فرنخودی اس سے بچ نکلا۔ اور ایک اور شاہی سردار ترسون خاں سے شکست کھائی۔ اور آخر اسکو شہزادہ دہ کے سامنے شہباز خاں کے ہاتھوں بڑی بھاری شکست ہوئی۔ اور پھر فیض آباد اور شکست کھا کر ماں بہن بیوی اور بیٹے کو شہباز خاں کے ہاتھوں میں چھوڑ کابل کی طرف

بھاگا۔راستہ میں قلیج خاں گھاٹ پر بیٹھا تھا۔اس سے ہزیمت کھا کر کوہستان، سوالک میں روپوش ہوگیا۔

ایک اور باغی عرب بہادر منگیر کے قریب صادق خاں سے وار دگیر کرتا ہوا کام آیا۔آخر بادشاہ نے عزیز کوکہ کی سفارش سے معصوم فرنخودی کے قصور معاف کئے۔لیکن وہ تھوڑے روز بعد اپنے کسی پرائیویٹ دشمن کے ہاتھوں قتل ہوا دوسرا معصوم جسکے نام کے ساتھ عاصی کا دم چھلا لگا ہوا تھا اوڑیسہ میں ایک افغان قتلو خاں سے جا ملا۔وہ بہت دیر تک خان اعظم اور شہباز خاں کی سپاہ کا مقابلہ کرتے رہے۔آخر ۱۵۸۴ء میں مرزا عزیز خان اعظم کی مستعدی سے بنگالہ بخوبی فتح ہوگیا۔گو جنگلوں اور رنبوں میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں اس کے بعد بھی ہوتی رہیں۔اور کامل امن ۱۵۹۲ء سے پیشتر نہ ہوا۔

ملا قاضی اور مفتی جنہوں نے اکبر کی مخالفت کر کے جہاد کا وعظ کیا تھا۔اپنے اپنے شہروں اور معافی کی جاگیروں اور علاقوں میں بڑے بڑے بارسوخ شمار ہوتے تھے۔انکی شہ سے اکثر سردار باغیوں میں جا ملے۔لیکن انکو اس مذہبی جہاد نے وعظ کا خمیازہ خوب بھگتنا پڑا۔سینکڑوں قتل ہوئے سینکڑوں کی معافیاں ضبط ہوگئیں۔بڑے بڑے مجتہد اور اہل فتوے جلاوطن کئے گئے۔

مرزا محمد حکیم کی بغاوت

اکبر کا سوتیلا بھائی مرزا محمد حکیم کابل کا زبردست اور نیم خود مختار صوبہ تھا۔اور اسکو یہ عالی جاہ و منصب صرف اپنے بھائی شاہ عالی تبار کے طفیل حاصل ہوئی تھی مرزا محمد حکیم نے بجائے شکر گذاری کے کفران نعمت کیا۔اور بنگالہ کے متمردوں اور سرکشوں سے عہد و پیمان و یکجہتی کا اتحاد کیا۔پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اسکے جاسوس ہندوستان میں آئے تھے۔چنانچہ ان میں سے ایک شخص روشن بیگ نامی سازش معلوم ہونے پر مارا گیا۔اور قبیلہ قاقشال جو اور جو ہاتے ہی بھرے بیٹھے تھے۔اس باعث سے فی الفور آمادہ بغاوت ہوگئے انکی بغاوت کے تفصیلی حالات اوپر بیان ہو چکے ہیں۔اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مو... آزاد دربار اکبری میں محمد حکیم مرزا کے حالات میں ارقام کرتے ہیں " حقیقت سے کہ اکبر کا بھائی اور ایسا اپنے اقبال سے بدعقل۔کم ہمت۔جب تک جیا

نوکروں کے ہاتھوں میں کچھ پتلی بنا رہا۔ اگر وہ انسان ہوتا تو تمام خراسان اسکا مال تھا۔ قندھار تو جیب کا شکار تھا۔ بلخ۔ کولاب۔ حصار۔ بدخشاں وغیرہ کنارِ جیحوں تک پھیل کر عبداللہ خاں ازبک کو برسرِ حساب لیتا اور اکبر کا داہنا ہاتھ بن کر ملک موروثی کو چھڑا لیتا۔ اور اکبر بھی وہ عالی ہمت بادشاہ تھا کہ اسے اپنے تاج کا لعل اور ہار کا موتی بناتا۔ مگر وہ بدنصیب اپنی بدنیتی اور نوکروں کی بدصلاحی سے جوؤں بھرا پوستیں بنا رہا۔"

اکبر کی دریا دلی کا یہ حال تھا کہ جب مرزا سلیمان حاکم بدخشاں نے لشکر مور و ملخ سے کابل پر چڑھائی کی۔ مرزا نے مقابلے کی طاقت نہ دیکھی باقی خاں قاقشال کو کابل میں چھوڑا۔ اور آپ جلال آباد میں بھاگ آیا۔ جب سُنا کہ مرزا سلیمان یہاں بھی آیا۔ تو دریائے اٹک کے کنارے آن پڑا۔ اور اکبر کو عرضی لکھی۔ چنانچہ بہت سے امرائے اکبری باگیں اُٹھائے جلال آباد پہنچے۔ بدخشیوں کے دھوئیں اُڑا دیئے اور قنبر کا سر کاٹ کر کابل میں بھیجدیا۔ مرزا سلیمان اپنی سپہ کی مصیبتیں سُنکر بدخشاں کو بھاگ گیا۔ اور مرزا محمد حکیم پھر تختِ کابل پر متمکن ہُوا۔

مگر حیف ہے کہ یہی مرزا اکبر کی مخالفت میں کچھ نہ کچھ منصوبے سوچتا رہتا تھا۔ ۱۵۸۱ء میں پنجاب کی فتح کے ارادے سے اُٹھا۔ اور حاجی نورالدین سپہ سالار کو سندھ کے ممالک میں فتنہ و فساد برپا کرنے کے لئے بھیجا۔ صوبہ دار پنجاب مرزا یوسف خاں نے حسین بیگ اور سعید خاں گکھڑ کو اس کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ حسین بیگ شکار میں مشغول ہُوا چاہتا تھا کہ نورالدین بھی آن پہنچا۔ غرض دونوں حریف ہرنوں کی ایک ڈار کو چھوڑ دست بگریباں ہو گئے۔ کابلی سپہ سالار حاجی نورالدین دم دبا کر بھاگا۔ اور تھوڑے دنوں میں پشاور میں قتل ہُوا۔ اس اثناء میں یوسف خاں کی بجائے کنور مان سنگھ صوبہ داری پنجاب پر تعینات ہُوا۔ اس نے زین الدین علی کو اٹک کی جانب روانہ کیا۔ ادھر شادمان مرزا حکیم کے ایک جری سپہ سالار نے حاجی نورالدین کی شکست کا حال سُنکر دریائے سندھ کو عبور کیا۔ اور قلعہ نیل آب کا رخ کیا۔ زین الدین علی اسکے ارادے کو بھانپ گیا تھا۔ وہ فوراً قلعہ مذکور پہ قابض

ہو گیا۔ اور مان سنگھ کا انتظار کرنے لگا۔ ۹ نومبر ۱۵۸۱ء کو دھواں دھار لڑائی کے بعد شادمان نے شکست کھائی اور قتل ہُوا۔

اکبر کو جب ان فتوحات کی خبریں پہنچیں بہت خوش ہُوا۔ لیکن اس نے بدیں خیال کہ مرزا محمد حکیم خود پنجاب پر نہ چڑھ آئے۔ رائے رائے سنگھ اور دیگر امرا کو آگے بھیجکر حکم دیا کہ مرزا کو دریائے سندھ عبور نہ کرنے دیں۔ ۱۰ دسمبر کو خبر آئی کہ محمد حکیم اٹک کی طرف چلا آتا ہے۔ آخر وہ بڑھتے بڑھتے لاہور تک پہنچ گیا ادھر اکبر بھی فتح پور سیکری سے روانہ ہُوا تھا لیکن راجہ بھگوانداس اور مان سنگھ لاہور میں پہلے ہی پہنچ گئے تھے۔ مرزا نے قلعہ لاہور پر حملہ کیا۔ لیکن منہ کی کھائی جب اس نے یہ سُنا کہ اکبر قریب پہنچ گیا ہے۔ تو رعب وخوف سے نکل بھاگا۔ اور کابل جاکر دم لیا۔ اکبر لاہور میں پہنچا اور فتح کی خوشی میں ایک عالیشان جشن کیا مان سنگھ۔ قلیج خاں۔ رائے رائے سنگھ۔ مرزا یوسف اور دیگر امیر مرزا مراد کے زیر کمان محمد حکیم کی گوشمالی کے لئے روانہ کئے گئے۔ اس اثناء میں مرزا نے اپنا ایک سفیر بھیجکر معافی چاہی۔ اکبر نے کہا کہ اگر مرزا اپنے گذشتہ قصوروں سے تائب ہو۔ اور آئندہ ہماری اطاعت کا حلف اُٹھائے۔ اور اپنی بہن کو دربار شاہی میں بھیجدے تو ہم قصور سے اغماض نظر کر دینگے۔ شہزادہ مراد اور اُسکے رفیق درہ خیبر سے گذر کر کابل کے گرد نواح میں پہنچے۔ مرزا کے چچا فریدوں نے مراد کی سپاہ کے عقب پر حملہ کرکے بہت سامال واسباب لوٹ لیا۔ مرزا خود کابل خورد سے شاہی لشکر پر لوٹا۔ لیکن شکست فاش کھائی اور مراد بامراد بظفر وشادمانی کابل میں داخل ہُوا۔

۱۰ جولائی ۱۵۸۲ء کو اکبر بھی کابل میں بڑے شان وشکوہ کے ساتھ داخل ہُوا۔ معلوم ہُوا کہ مرزا ملک چھوڑ توران میں گداگری کے ارادے سے روانہ ہُوا چاہتا ہے۔ اکبر سے یہ نہ دیکھا گیا کہ انکا بھائی خواہ وہ سوتیلا اور بیوفا ہی کیوں نہ تھا۔ اجنبیوں کی خیرات پر گذارہ کرے۔ اور دوسرے یہ بھی اندیشہ تھا کہ اگر محمد حکیم ازبکوں کے پاس چلا گیا۔ انکا سردار عبداللہ خان کوئی نہ کوئی نیا بکھیڑا پیدا کر دیگا۔ اس نے اپنے ایک ایلچی کی معرفت مرزا کو دوستانہ پیغام

بھیجا۔ مرزا نے پھر حلف اطاعت اُٹھایا۔ لیکن پھر بھی فی الفور بادشاہ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ اکبر اُس سے بہت ناراض ہوا۔ آخر ایک قدیم غمخوار کی سفارش سے اسکو کابل کی بادشاہت پھر مل گئی۔ اکبر نے مرزا کو اپنے روبرو بلا کر ذلیل کرنا نہ چاہا۔ اور اس سے ملاقات کرنے کے بغیر ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔

اس مقام پر یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اکبر نے جب وہ کابل کی طرف سفر کر رہا تھا اپنے ایک قدیم خیر خواہ اور معتبر وزیر خواجہ شاہ منصور کو اس الزام پر پھانسی دیدی تھی کہ وہ مرزا کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ انہی دنوں خواجہ کا ایک قدیم دوست جو کابل سے آیا ہوا تھا اس کے مکان پر اُترا۔ اس سے اکبر کی بدگمانی اور بھی بڑھ گئی۔ مورخوں نے اس امر پر کوئی قطعی فیصلہ نہیں دیا۔ لیکن قرائن سے پایا جاتا تھا کہ اسی خواجہ شاہ منصور اور راجہ ٹوڈرمل کی آپس میں دیرینہ عداوت تھی۔ راجہ ٹوڈرمل نے بعض لوگوں کی مدد سے جعلی خطوط بنوائے اور پکڑوا دیئے۔ انہی کی بنا پر خواجہ صاحب دھرے گئے۔ جب اکبر کابل میں پہنچا تو اس امر کی بخوبی تحقیقات کی۔ معلوم ہوا کہ خطوط اور عرائض وغیرہ سب جعلی تھے اکبر کو کمال افسوس ہوا۔ لیکن اب پچھتانے سے کیا ہوتا تھا۔

مظفر شاہ گجراتی کی شورہ پشتی اور خودکشی

گجرات میں قدیم الایام سے خود مختار بادشاہ حکمراں رہے۔ ۱۲۹۷ء کے قریب یہ ملک سلطنت دہلی میں ملحق ہو کر اسکا ایک صوبہ قرار پایا۔ پندرھویں صدی میں اس ملک کے فرمانروا پھر مطلق العنان ہو گئے۔ اور ہمایوں کے زمانہ تک بڑی عمدگی اور شائستگی سے حکومت کرتے رہے۔ ۱۵۳۴ء میں ہمایوں نے اس ملک پر تسلط بٹھالیا۔ لیکن اس کی حکومت صرف ایک سال تک رہی۔ بعد ازاں ۱۵۵۵ء میں اس نے گجرات کو پھر زیر نگین کیا۔ اکبر نے اس ملک پر حق وراثت کے دعوے سے حملہ کیا۔ اور ۱۵۷۲ء میں فتح کر کے بخوبی تسلط بٹھالیا۔ لیکن اس ملک کے لوگوں میں یہ خصوصیت تھی کہ اپنے موروثی بادشاہوں کی عزت و تعظیم کرتے تھے۔ اور اگر اجنبی بادشاہ حملہ آور ہوتا تھا۔ تو اپنے قدیم شاہی

خاندان کی حمایت وحفاظت کے لئے شمشیر بکف میدان جنگ میں نکل آتے اور جاں نثاری کے جوہر دکھاتے تھے۔ ۱۵۸۱ء میں مظفر شاہ گجراتی نے پھر علم بغاوت بلند کیا۔ اس کی نسبت مورخوں کی تحقیق سے یہ پتہ بخوبی نہیں چلتا کہ آیا وہ سلطنت گجرات کا جائز وارث تھا۔ ابوالفضل نے بیان کیا ہے کہ وہ حرامی بچہ تھا۔ نظام الدین احمد مصنف طبقات اکبری نے بیان کیا ہے کہ مظفر شاہ سلطان محمود کا بیٹا تھا۔ لیکن یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ جب اکبر نے ۱۵۷۲ء میں گجرات کو فتح کیا۔ وہ اس ملک میں بارہ سال سے حکمراں تھا۔ اسی سال معرکہ دار وگیر کے اثناء میں وہ اکبر کے سپاہیوں کو گندم کے ایک کھیت میں چھپا ہوا ملا تھا۔ جب وہ گرفتار ہو کر اکبر کے روبرو پیش کیا گیا۔ تو دریا دل بادشاہ نے اسکی جاں بخشی کر دی۔ اور یہ پہلے کرم علی داروغہ۔ پھر منعم خاں اور شاہ منصور کے زیر حراست رہا۔ ملا عبدالقادر بدایونی کا قول ہے کہ اکبر اس کو تیس یا چالیس روپے ماہوار وظیفہ دیتا تھا۔ ۱۵۷۸ء میں مظفر حراست سے نکل جوناگڑھ کے کاٹھیوں کے ہاں پناہ گزیں ہوا۔ اور اکبر کے افسروں نے اسکا خیال تک نہ کیا۔ کون جانتا تھا کہ تین سال بعد اسے سفروں کے طفیل ہزارہا بندگان خدا کا خون پانی کی طرح بہ جائیگا۔

۱۵۷۷ء سے شہاب الدین احمد ماہم آنکہ کا ایک رشتہ دار گجرات کا صوبے دار تھا۔ وہ پانچ سال تک اس صوبہ میں جہاں عموماً کوئی نہ کوئی فساد اور لڑائی ہوتی رہتی تھی۔ حکومت کرتا رہا۔ بڑائچ اور بڑودہ کے قلعے شمس الدین محمد اتکہ کے سب سے چھوٹے بھائی قطب الدین خان کے سپرد تھے۔ اسکو بادشاہ نے منصب پنج ہزاری عطا کیا تھا۔ اور بادشاہ اس سے اکثر خوش رہتے اور اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ سلوک کرتے رہتے تھے۔ ۱۵۸۳ء میں شہاب الدین صوبہ داری گجرات سے واپس طلب کیا گیا۔ اور اسکی بجائے ایک نومسلم اعتماد خاں کو صوبہ داری پر سرفراز کیا۔ اس واقعہ کی کچھ تفصیل دربار اکبری سے نقل کی جاتی ہے۔

"صورت حال یہ ہوئی کہ اکبر کا جی یہ چاہتا تھا کہ کل ہندوستان میں اس سرے

سے اس سرے تک میرا سکہ چلے۔ فتح گجرات کے بعد اعتماد خاں ایک پرانا سردار سلطان محمود گجراتی کا نمکخوار اس سے الگ ہوکر اکبری امرا میں داخل ہوگیا تھا وہ ہمیشہ بادشاہ کے خیالات کو ادھر متوجہ کرتا تھا۔ ان دنوں میں موقع دیکھ کر بعض امرا کو اپنے ساتھ ہمداستان کیا۔ اور بہت سی صورتیں بیان کیں جس میں ملک مذکور کی آمدنی بڑھے۔ اخراجات میں کفایت ہو۔ اور سرحد آگے کو سرکے۔ سنہ ۹۹۱ھ ۱۵۸۳ء میں اس نے موقع دیکھکر پھر عرض معروض کی۔ اور بعض امرا کو اپنے ساتھ ہمداستان کیا۔ اکبر نے اسے ملک مذکور کا واقف حال دیکھ کر مناسب سمجھا کہ شہاب الدین احمد خاں کو گجرات سے بلالے۔ اور اسے صوبہ کرکے بھیجے۔"

غرض اعتماد خان اور خواجہ نظام الدین احمد (مصنف طبقات اکبری) جو دربار سے گئے تھے پٹن پہنچے۔ اور احمد آباد میں اپنی آمد کی اطلاع اور خلعت فاخرہ جو بادشاہ نے شہاب الدین کے واسطے دیدی تھی بھیجی۔ شہاب الدین نے شاہی حکم کو سر آنکھوں پر رکھ کر قلعہ کی کنجیاں سپرد کردیں۔ شہاب کے قلعہ سے نکلکر عثمان پور (ایک محلہ کنار شہر پر ہے) میں آگئے۔ اعتماد خان۔ شاہ ابوتراب اور خواجہ نظام الدین خوشی خوشی قلعے میں داخل ہوگئے۔ میر عابد شہاب کے ایک ملازم نے اپنی جاگیر کے بحال رکھے جانے کے بہانے سے ہنگامہ برپا کردیا۔ اعتماد خان کو جو فوج دربار سے ملی تھی وہ ابھی نہ آئی تھی۔ شاہ اور خواجہ کے ہاتھ شہاب کو پیغام بھیجا کہ اپنے ملازموں کا بندوبست کرو۔ انہوں نے فساد کر رکھا ہے اس نے جواب دیا کہ یا تو انکو جاگیر دیدو۔ یا میں اپنے آدمی بھیجتا ہوں۔ انکو اور اپنی جمعیت کو لے کر دفعتہً لوٹ پڑو۔ خود ہی بھاگ نکلینگے۔ اعتماد خاں چاہتے تھے کہ کسی طرح شہاب الدین ان کے ساتھ شریک ہوجائے۔ وہ اس کے منانے کے خیال سے اپنے بیٹے اور پہلوان علی سیستانی (کوتوال) اور چند اور سرداران کو احمد آباد میں چھوڑ اس کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر مظفر شاہ کاٹھیوں اور لٹیروں کی ایک جمعیت لیکر احمد آباد پر قابض ہوگیا۔ اور

پہلوان علی کو نہ تیغ بیدریغ کیا۔ شیر خاں پسر اعتماد خاں اور قلعہ کے چند اور سردار شہر سے بھاگ گئے اور اعتماد خاں اور شہاب الدین کو صورت حال سے اطلاع دی۔ نظام الدین احمد بھی ان کے ساتھ تھا۔ کچھ دیر تک صلاح و مشورہ کر کے پھر احمد آباد کی طرف روانہ ہوئے اور عثمان پور میں جو برلب دریا واقع ہے۔ ڈیرے ڈال دیئے مظفر شاہ نے قلعہ سے نکل دریا کے ایک ریتلے ٹیلے پر پرے جمائے شاہی فوج اہل و عیال اور اسباب و مال سنبھال رہی تھی کہ لڑائی شروع ہو گئی۔ شہاب آٹھ سو سپاہی لیکر ایک بلندی پر جمے اور فوج کو آگے بڑھایا۔ فوج نے حق نمک ادا کیا۔ مگر سرداروں نے نمکحرامی کی۔ جو نمک حلال تھے وہ حلال ہو گئے۔ شہاب اور اعتماد خاں بھی بھاگے اور نہروالا (پٹن) جو احمد آباد سے پچاس کوس پر ہے۔ ایکدن میں پہنچ کر دم لیا۔ ادھر دشمن نے قلعہ میں خاطر جمع سے بیٹھ اپنی طاقت کو بڑھانا شروع کیا۔ شہاب الدین کے بعض نمکحرام مظفر شاہی دربار میں حاضر ہوئے۔ اسنے سامان سلطانی دیکھکر دربار قائم کیا۔ اور سب کو بادشاہی خطاب دیئے۔ جمعہ مسجد میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ پرانے پرانے سردار جنگلوں کے لٹیرے مفلس محتاج۔ ملک کے پرانے سپاہی۔ بخاری و ماوراء النہری کہ تیموری شہزادوں کی کھرچن تھے۔ جوق جوق آنے لگے۔ غرض دو ہفتوں کے اندر چودہ ہزار کی جمعیت گرد جمع ہو گئی۔ مظفر خاں کو ابھی قطب الدین خان کی طرف سے کھٹکا لگا ہوا تھا۔ بنابریں کچھ سرداروں کو احمد آباد چھوڑا۔ اور بڑودہ کی طرف روانہ ہوا۔ شہاب اور اعتماد قطب الدین خان کو برابر لکھ رہے تھے۔ کہ تم ادھر سے آؤ۔ ہم ادھر سے چلتے ہیں اور دشمن کو دبا لینگے۔ وہ بڑاچ سے بیٹھا ٹالتا رہا۔ جب زین الدین کنبو دربار سے فرمان عتاب لیکر پہنچا تو قطب بھی جگہ سے ہلا۔ اور سپاہ کو تنخواہ دیکر دلداری کرنے لگا۔ مگر وقت گذر چکا تھا۔ بڑودہ پہنچا ہی تھا کہ مظفر نے آن لیا۔ خفیف سے مقابلہ کے بعد قلعہ میں دب کر بیٹھ گیا۔

شیر خاں فولادی مظفر کا ایک سردار تھا۔ کسی زمانہ میں اسکی بہادری اور دلیری کی دھاک بندھ گئی تھی۔ مظفر کے احمد آباد سے روانہ ہونے سے پیشتر اس سے اجازت چاہی کہ حکم ہو تو میں بھی اپنا تو بازو دکھاؤں۔ وہ چار ہزار فوج لیکر پٹن کو چلا۔ کڑی پر

فولادی نے فوج کا ایک دستہ علٰحدہ کر کے چوٹانہ کی طرف بھیجا۔ جو پٹن سے چالیس میل پر تھا۔ نظام الدین نے اس دستہ کو شکست فاش دی۔ پٹن سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر شیر خاں فولادی نے اعتماد خاں کے بیٹے سے کامل شکست اُٹھائی اسوقت شہاب الدین اور اعتماد خاں پٹن میں تھے۔ نظام الدین کی مستعدی کو دیکھو کہ جب اُنھوں نے ساتھ نہ دیا۔ تو شیر خاں فولادی کو میانہ کے مقام پر۔ پھر شکست دی۔ باوجودیکہ شیر خاں کے پاس پانچ ہزار سوار اور نظام الدین کے پاس صرف دو ہزار تھے۔ کشت و خون عظیم ہُوا۔ شیر خاں لوک دم گجرات کو بھاگا۔ خواجہ ہر چند کہتا رہا۔ کہ اب موقع ہے۔ اور گجرات خالی ہے۔ باگیں اُٹھائے چلو۔ کسی نے نہ سُنا بچارہ ۱۲ دن وہیں پڑا رہا۔ اتنے میں سُنا کہ مظفر نے بڑودہ مار لیا۔

بڑودہ کا قلعہ بہت بودا تھا۔ مظفر نے محاصرہ کیا۔ اور توپیں مارنی شروع کر دیں اس کی پرانی دیواریں فرش زمین ہو گئیں۔ قطب الدین نے شکست کھائی۔ اسکا پیمانہ عمر لبریز ہو گیا۔ ایلچی کو مظفر و منصور کی خدمت میں بھیجا۔ جس نے ایلچی کو مروا ڈالا اس واقعہ سے بھی قطب الدین کو ہوش نہ آئی۔ یہ عہد ہوا کہ میں مکہ میں چلا جاؤنگا مجھے اہل و عیال سمیت یہاں سے نکل جانے دو۔ غرض نہایت بدحالی اور بےحمیتی سے غنیم کے دربار میں حاضر ہُوا۔ بعجز تمام جھک جھک تسلیمات بجا لایا۔ مظفر نے نہایت منافقانہ روش اختیار کی۔ ملاقات کے وقت بہت تعظیم سے پیش آیا۔ مگر پھر تروای زمیندار سپیلا کے مشورہ سے قطب الدین کو بمع اس کے بھتیجے کے قتل کروا ڈالا۔ ۱۴ لاکھ روپیہ اسکے ساتھ تھا۔ وہ لے لیا۔ اور پھر شاہ کا خزانچی بڑودہ سے دس کروڑ سے زیادہ روپیہ جو دفن تھا۔ نکال لایا۔ اس فتح سے قریباً تمام گجرات مظفر کے زیر نگین ہو گیا۔ اب اسکی فوج میں تیس ہزار مغل۔ افغان۔ گجراتی۔ اور راجپوت جمع ہو گئے تھے۔

اس زمانہ میں آمد و رفت اور ڈاک کا انتظام ایسا نہ تھا کہ معمولی بلکہ اہم واقعات کی خبریں جلدی سے پہنچ سکیں۔ چنانچہ اس واقع کی خبر اکبر کو مہینوں بعد موصول ہوئی۔ لیکن اس کے پہنچنے سے پیشتر اس نے گجرات کے انتظام میں ایک نمایاں تبدیلی کر دی تھی یعنے قطب الدین کو تقویت دینے کے لئے مالوہ کے

بعض امرا کی فوجیں۔ اور قلیج خان جاگیر دار سورت کے لشکر کو بڑودہ کی طرف روانہ کیا اور مرزا عبدالرحیم پسر بیرم خان کو سپہ سالار گجرات نامزد کرکے بہت سے معتمد اور مشہور سرداروں کے ہمراہ پٹن کی طرف بھیجا۔ اس وقت نظام الدین پٹن میں تھا۔ اور مرزا کو خط پر خط روانہ کرتا تھا۔ کہ جلد آؤ۔ آخر جب یہ خبر پہنچی کہ مرزا سروہی میں پہنچ گیا ہے۔ تو اسکے استقبال کو نکلا۔ اور بہت دھوم دھام اور تزک و احتشام سے پٹن میں لے آیا۔

نوجوان سپہ سالار نے سرداروں کو جمع کرکے جلسہ کیا۔ بعض نے مشورہ دیا کہ اقبال اکبری پر تکیہ کرکے باگیں اُٹھاؤ۔ اور تلواریں کھینچ شہر پر جا پڑو۔ بعض نے صلاح دی کہ قلیج خاں مالوہ سے آتا ہے۔ اسکا انتظام کرنا ضروری ہے۔ بعض کی رائے ہوئی کہ بادشاہ کو لکھا جائے کہ حضور خود یلغار کرکے آئیں۔ دولت خاں ایک بڈھے سردار نے صلاح دی اور خوب صلاح دی۔ کہا حضور پر نور کا بلانا نازیبا ہے۔ قلیج خاں کا انتظار نامناسب ہے۔ اس کے سامنے فتح ہوئی تو تمہارے رفیق حصہ سے محروم رہینگے۔ اگر چاہتے ہو کہ تمہارے نام کا ڈنکہ بجے تو قسمت پر بھروسہ کرو۔ اور لڑ مرو۔ جب تک آپ تلوار نہ مارو گے۔ خانخانان نہ ہوگے۔ مرزا خان نے دروغ مصلحت آمیز بہ کہ راستی فتنہ خیز کے مقولہ پر کاربند ہو کر ایک جھوٹ موٹ کی ہوائی اُڑائی۔ یہ کہ دربار سے فرمان آتا ہے۔ اکبری آئین سے اسکا استقبال ہُوا۔ اور جلسہ عام میں پڑھا گیا۔ مضمون یہ کہ ہم فلاں تاریخ یہاں سے روانہ ہوئے خود یلغار کرکے آتے ہیں۔ جب تک نہ پہنچیں۔ لڑائی شروع نہ ہو۔ فرمان پڑھکر مبارکباد کے شادیانے بجائے گئے۔ اور تمام لشکر نے خوشیاں منائیں۔ اس سے کم ہمتوں کی کمر بندھ گئی۔ اور ہمت والے شیر و پلنگ سے بھی زیادہ قوی دل ہو گئے۔ ادھر دشمنوں کے جی چھوٹ گئے۔

مرزا خان کا لشکر احمد آباد سے تین کوس پر سرکھیج پور میں تھا۔ اور مظفر شاہ کے ڈیرے شاہ بھیکن کے مزار پر تھے۔ فوج مالوہ کی آمد آمد سُنکر دشمنوں مارا۔ مگر ناکام رہا۔ ادھر پھر جلسہ ہُوا۔ لڑائی کی صلاح ٹھیری۔ اعتماد خان کو پٹن کی حفاظت پر چھوڑا۔ عثمان پور کے دہانہ پر میدان جنگ ہُوا۔ اسوقت

مرزا کی فوج دس ہزار اور مظفر کی چالیس ہزار تھی۔ خواجہ نظام الدین کو دو ہمر داروں کے ساتھ فوج دیکر الگ کر دیا۔ کہ ہمر گنج کو داہنے ہاتھ پر چھوڑ کر آگے بڑھ جاؤ۔ جب لڑائی کا پلڑا برابر دیکھو غنیم کا پیچھا آن مارو۔ مرزا ایک سو ہاتھیوں کے ہمراہ سامنے ڈٹ گیا۔ اور لڑائی شروع ہوئی۔

زمین ناہموار تھی۔ اور ہراول کے پیچھے جو فوج تھی وہ نہایت تیزی سے ساتھ پہنچی۔ غرض سپاہ کا شیرازہ نظام ٹوٹ گیا۔ اور لشکر میں گھبراہٹ پڑ گئی۔ کئی بڑے نامور مارے گئے۔ اور فوج الٹ پلٹ ہوکر جدھر جسکا منہ اٹھا۔ ادھر ہی جا پڑا۔ جا بجا میدان جنگ گرم ہوا۔ شاہی سپہ سالار تین سو جوانوں کے حلقہ میں سو ہاتھی سامنے لئے کھڑا تھا۔ مظفر سات ہزار (بقول آزاد پانچ چھ ہزار) کا پرا لئے کھڑا تھا۔ مرزا نے گھوڑا بڑھایا۔ اور فیلبانوں کو بھی للکار کر نامیں آواز دی۔ ادھر ہاتھیوں نے جوش و خروش سے حملہ کیا ادھر نظام الدین عقب غنیم پر گرا۔ مظفر حواس باختہ ہوکر بھاگا۔ اور اسکے ہمراہی اسکے پیچھے بھاگے۔ محمود آباد کے رستے دریائے مہندری کے ریگستانوں میں نکل گیا۔ اور اس کی سپاہ کے ہزاروں جوان کھیت رہے۔

یہ لڑائی ۱۳ جنوری ۱۵۸۳ء کو ہوئی۔ اگلے روز مرزا عبدالرحیم شاداں فرحاں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ احمد آباد میں داخل ہوا۔ شہر میں امان امان کی منادی کر دی۔ تین روز بعد قلیچ خاں وغیرہ امرائے مالوہ بھی آپہنچے۔ شہر کا بندوبست کر کے تازہ دم فوجوں کے ساتھ مظفر کے پیچھے روانہ ہوئے۔

مظفر کھمبایت میں پہنچا۔ قدیمی بادشاہوں کی اولاد سمجھکر لوگ سمٹنے لگے وہ بھی انکو پرچاتا تھا۔ سوداگروں نے روپیہ سے مدد کی۔ دو ہزار کے قریب فوج جمع ہوگئی۔ جب معلوم ہوا کہ مرزا خان تعاقب پر ہے۔ بڑودہ میں آگیا مرزا بھی ادھر جھکا۔ اور مقام ناددت کے قریب ایک اور بھاری لڑائی ہوئی۔ خواجہ

سلسلہ مذکورہ بالا تعداد دربار اکبری میں سے لی گئی ہے۔ جو غالباً ابوالفضل سے اخذ کی گئی ہے جس نے باغیوں کی سپاہ چالیس ہزار سوار اور ایک لاکھ پیادے بیان کی ہے۔ فریڈرک اگسٹس کہتا ہے کہ مرزا کی سپاہ کے تین یا پانچ سو پیادوں کے سوا پیدل فوج کا شمار نہیں بتایا گیا۔ شاید اس سے زیادہ سپاہ ہو (مولف)

نظام الدین ایک پہاڑی پر قابض ہوگیا۔ قلیچ خاں سے غنیم نے ٹکر کھائی۔ اور زور دیکر اسے پیچھے ہٹا دیا۔ مرزا خان عقل کی دوربین لگائے دیکھ رہا تھا۔ فوراً فیلی توپخانہ پہنچا یا کہ جس پہاڑی پر قبضہ کیا ہے۔ اسپر چڑھ جاؤ۔ ہتھنالوں کی گولی ایسے موقع سے چلی کہ خاص قلب میں پہنچی۔ مظفر بے حوس ہو کر بھاگا۔ فتحیابوں کے ہاتھ بیشمار مال و اسباب آیا۔ اس فتح کے بعد مرزا خان نے امرا کو مناسب اطراف میں روانہ کیا۔ اور آپ احمد آباد میں ملک و رعیت کے انتظام میں مصروف ہوا۔ دربار میں فتحنامہ بھیجا۔ اکبر بہت خوش ہوا۔ فرمان بھیجکر سب کے دل بڑھائے۔ مرزا خاں خطاب خان خاناں۔ خلعت با اسپ و کمر خنجر مرصع۔ تمن توغ۔ منصب پنجہزاری کہ امرا کے لئے سب سے بڑا منصب تھا مرحمت کیا۔ اور اور امیروں کے بھی حسن خدمات کے لحاظ سے منصب بڑھائے۔ اسوقت اکبر قلعہ الہ آباد کی بنیاد رکھکر پھرا کہ آگرہ سے سوار ہو کر پھر یلغار کرے کو راگھاٹم پور میں پہنچا کہ فتح کی خبر پہنچی۔ مرزا خان نے بھی تمام سپاہیوں کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ اور جتنا مال و اسباب تھا۔ سب لٹا دیا۔ مظفر نامظفر نے تیسری دفعہ پھر سر اٹھایا۔ لیکن پھر بھی زک ہی اٹھائی۔ شاہی سرداروں سے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھی تو بھاگ نکلا۔ راجگان کاٹھیاواڑ اور زمینداران گجرات کے پاس وکیل دوڑاتا اور جا بجا بھاگا پھرتا تھا لوٹ پر گزارہ رہگیا تھا۔ تمام علاقوں کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ لیکن پھر پاؤں نہ جمے۔ مظفر نے باوجود اسکے ہمت نہ ہاری۔ کبھی کھمبائت۔ کبھی نادوت۔ کبھی سورت کبھی اجھنیر۔ کچھ وغیرہ اضلاع میں کہیں نہ کہیں سر نکالتا تھا۔ ایک جگہ شکست کھاتا تھا۔ پھر ادھر ادھر سے حشری اور جنگلی لٹیرے سمیٹ کر دوسری جگہ آن موجود ہوتا تھا۔ آخر کے ۲۷ دسمبر ۱۵۹۱ء کو جوناگڑھ کے قریب خان اعظم مرزا عزیز کوکہ کے جاسوسوں نے گرفتار کرلیا۔ وہ اسکو مرزا عزیز کی خدمت میں لیجا رہے تھے کہ مظفر گھوڑے سے اترا۔ اور کسی بہلانے سے ایک درخت کی اوٹ میں جاکر چاقو سے اپنا گلا کاٹ دیا۔

اس مقام پر یہ بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اکبر نے مصلحت ملکی یا کسی اور وجہ سے ۱۵۸۹ء میں مرزا عبدالرحیم خانخاناں کو گجرات سے بلا کر مرزا

عزیز کوکہ کو صوبہ دار گجرات مقرر کیا تھا۔ نظام الدین احمد بھی دربار میں طلب ہوئے بادشاہ نے ان کے حال پر بہت نوازش کی۔ اور لیاقت و شجاعت کی ایسی داد دی کہ ان کے دل باغ باغ ہو گئے۔

مرزا محمد حکیم کی وفات اور کابل کی مشکلات

جب مرزا عبدالرحیم دربار میں آئے۔ تو اس سے مہائم سلطنت کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اکبر نے اسکی صلاح سے دکن کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو سلطنت میں ملحق کرنیکا ارادہ کر لیا تھا۔ کیونکہ اوائل ۱۵۸۶ء میں جنوبی جاگیرداروں کو حکم ہوا تھا کہ سپاہ اور ساز و سامان کو درست رکھیں۔ اس مہم کی سپہ سالاری مرزا عزیز کوکہ کے سپرد ہوئی تھی۔ اور بہت سے امرا و سرداروں کو ساتھ جانیکا حکم ہوا تھا۔ میر فتح اللہ شیرازی الملقب بہ عضدالدولہ کو ہدایت ہوئی کہ راجہ علی خاں حاکم خاندیس کو جو نظام شاہ کا طرفدار تھا۔ اکبر کی ہوا خواہی کی تحریص و ترغیب دلائے۔ خانخاناں کی آمد سے بیس روز بعد خبر پہنچی کہ مرزا محمد حکیم عالم جاودانی کو رحلت کر گئے ہیں۔ اور تورانیوں کے ساتھ سازش ہو رہی ہے۔ یہ واقعہ ۳ جولائی ۱۵۸۵ء کا ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد ہم مرزا کی وفات اور کابل کے معاملات کو مجمل طور پر بیان کرتے ہیں۔

۲۲ اگست سنہ مذکور میں اکبر بسرعت تمام پنجاب کی راہ سے کابل کی طرف روانہ ہوا۔ دیگر صوبوں اور ملکوں میں بعض اوقات وہ خود جاتا تھا۔ اور بعض اوقات معتمد سرداروں اور سپہ سالاروں کو بھیجا کرتا تھا۔ لیکن کابل کی پہلی مہم میں وہ بذات خود گیا تھا۔ گو مرزا امرا اور سلطنت کے امرا و اراکین اسکے آگے پیچھے تھے۔ اب پھر خود چڑھائی کرنا مصلحت سے خالی نہ تھا۔ بات یہ تھی کہ کابل کا ملک سرحد پر واقع ہونے سے ہندوستان کے امن اور استحکام پر بڑا بھاری اثر ڈال سکتا تھا۔ جب مرزا محمد حکیم نے ازبکوں کے زیر سایہ پناہ لینے کا عزم کیا تھا۔ اکبر نے اس کے قصور معاف کر کے پھر حکومت کابل پر بحال کر دیا تھا۔ کیونکہ اب تک بادشاہ عبداللہ خاں اکبر کا ہم پلہ تھا۔ ازبکوں اور مغلوں کی قدیم

سے عداوت چلی آتی تھی۔ اب محمد حکیم کی وفات سے اکبر پھر چونکا اور معاملات افغانستان میں مداخلت دینے کے خیال سے بعجلت تمام روانہ ہوا۔

۱۵۱۰ء میں ازبکوں کا ایک مشہور سردار شیبانی مرو کی لڑائی میں کام آیا۔ اور وہ کئی سالوں تک بے سر رہے۔ آخر اسکندر خاں کے بیٹے اور ابوالخیر کے پڑپوتے عبداللہ خان نے ازبکوں کو مطیع کر کے اپنی طاقت و جبروت کا سکہ جمایا۔ عبداللہ خاں ۱۵۳۳ء میں پیدا ہوا۔ چوبیس برس کی عمر میں بخارا پر قابض ہوگیا۔ اور اپنے والد اسکندر خان کو ازبکوں کا خاقان (خان کلان) مشتہر کیا۔ مگر سلطنت کا انتظام اور تمام کاروبار عبداللہ خان کے اشارے سے ہوتے تھے۔ اس نے یکے بعد دیگرے بلخ۔ سمرقند۔ تاشقند۔ ترکستان۔ اندجان کو زیر نگین کیا۔ اور ۱۵۸۳ء میں اسکندر کی وفات پر خاقانی لقب اختیار کر کے تھوڑے عرصہ میں خراسان کا بہت سا حصہ خوارزم اور بدخشاں کا علاقہ ملحق کرلیا۔ اسکا ایک لائق بیٹا اور سپہ سالار ابوالمومن اس کے بہت کام آیا۔ عبداللہ خاں نے سنی فرقہ کی حمایت اور شیعہ لوگوں کی بیخ کنی کردی۔ اکبر کو یہ اندیشہ تھا کہ عبداللہ خان جس کی سلطنت آئے روز بڑھتی جاتی تھی۔ کوہستان بدخشاں سے گذر کر افغانستان پر حملہ آور ہوگا۔ اور وہاں سے ہندوستان پر چڑھائی کرنا بالکل آسان ہوگا۔ پس لازم تھا کہ تورانیوں کے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی روک تھام کی جائے اور اس مہیب دشمن کو ہندوستان میں قدم رکھنے کی مہلت نہ دے۔

بدخشاں میں مرزا سلیمان بابر اور ہمایوں کے وقت سے حکمران تھا۔ لیکن اسکے اپنے پوتے شاہرخ سے لڑائی چھڑ گئی۔ اور انجام کار دونوں سلطنت سے ہاتھ دھو کر آوارہ دشت غربت ہوگئے۔ ادھر عبداللہ خاں بدخشاں پر قابض ہوگیا۔ یہ دونوں غربت کی حالت میں کسی مقام پر ملے۔ اپنی حالت پر بہت پچھتائے اور باہمی امداد کا وعدہ کیا۔ پھر کابل کی طرف روانہ ہوئے۔ مرزا سلیمان کو کچھ علاقہ بطور جاگیر مل گیا۔ اور شاہرخ ہندوستان کی جانب چلا۔ راستے میں طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرتا ہوا جون ۱۵۸۵ء کو فتح پور سیکری میں پہنچا۔ اور

امرا اکبری نے اسکا بہت عزت و تعظیم سے استقبال کیا۔ محمد حکیم نے مرزا سلیمان کے حال پر رحم کر کے بدخشاں فتح کرنے کے لئے کچھ فوج دی۔ مرزا سلیمان کی بدنصیبی دیکھو کہ کامیابی حاصل ہوا چاہتی تھی کہ بلخ سے ابو المومن آن پہنچا۔ مرزا کو شکست فاش ہوئی۔ آخر وہ بھی گوناں گوں صعوبتیں سہتا اکبر کے دربار میں پناہ گزین ہوا۔ اور تمام ماجرا کہہ سنایا۔ سلیمان کے حال پر بادشاہ نے بہت نوازش فرمائی اور ششش ہزاری منصب عطا کیا مرزا شاہرخ اکبر کی ملازمت میں شامل ہوگیا ۱۵۹۲ء میں اسکی اکبر کی ایک بیٹی سے شادی ہوگئی۔ سلیمان ۷۷ برس کی عمر میں بمقام لاہور عالم جاودانی کو سدھارا۔ مرزا شاہرخ صوبہ دار مالوہ مقرر ہوا۔ اس نے اکبر کے عہد حکومت کے آخیر زمانہ میں دکن کی مہمات میں بہت انعام پایا اور انجام کار منصب ہفت ہزاری پر سرفراز ہوا۔ اور اسی حیثیت میں جہانگیر کے عہد میں حسن خدمات سے اپنے آقا کو خوش کرتا رہا۔

بدخشاں کی فتح سے عبداللہ خاں اور اکبر کے تعلقات میں تغیر عظیم واقع ہوا ہوگا۔ اور خانخاناں کے ساتھ جب مندرجہ بالا گفتگو ہوئی تو اکبر نے خارجی معاملات پر بھی غور کیا ہوگا۔ غرض ان تمام واقعات اور مرزا محمد حکیم کی وفات نے اکبر کو مجبور کیا کہ حتی الامکان جلدی سے کابل پہنچکر خود دخل دے۔ اور آئندہ مشکلات کی پیش بندی کرے۔

بادشاہ نے کابل کے ان منصوبہ پرداز امرا کو جو عبداللہ خاں کی حمایت کرنا چاہتے تھے۔ دوستی اور خوشنودی مزاج اور مراعات کے وعدوں سے اپنی سے ملا لیا۔ غرض فتح پور سیکری سے دہلی اور دہلی سے سرہند پہنچا۔ کلانور سے حکیم علی گیلانی اور بہاء اللہ کنبو کو یوسف شاہ کشمیر کے دربار میں بدیں غرض بھیجا کہ شاہ مذکور یا اسکے بیٹے یعقوب کو جو لشکر شاہی میں سے بھاگ کر چلا گیا تھا۔ حضور میں لے آئیں رہتاس سے قاسم خاں قلعہ آگرہ کے معمار اور مشہور انجینئر کو دریائے سندھ اور درہ خیبر کا راستہ صاف کرنے کے لئے بھیجا اور تاکید کر دی کہ ایسی سڑک بنادو کہ پہیہ دار گاڑیاں بسہولت تمام جا سکیں۔ ۷ نومبر کو مریم مکانی شاہ عالم پناہ کی والدہ بھی لشکر شاہی میں تشریف لائیں۔ انکو مامتا محبت نے مجبور کیا تھا

کہ پایہ تخت ہند کو چھوڑ کر اپنے فرزند ارجمند کے ہمراہ رہیں۔ رہتاس میں غالباً مریم مکانی کے ایما سے اکبر کے بعض سپہ سالاروں نے یہ مشورہ دیا کہ آپ کابل جانیکے ارادہ کو ملتوی کر دیں کیونکہ مریم مکانی نے سن لیا تھا کہ اکبر بدخشاں اور کشمیر فتح کرنا چاہتا ہے۔ اور وہ چاہتی ہیں کہ اکبر ایسے دور دراز ممالک کی تسخیر کی تکلیف گوارا نہ کرے۔ ابوالفضل کی تحریر سے یہ معلوم نہیں ہوتا۔ ۷ دسمبر ۱۵۸۵ء کو شاہ عالم پناہ کے لشکر نے راولپنڈی میں قیام کیا۔ اور یہاں خبر ملی کہ کنور مان سنگھ نے محمد حکیم کے ماموں فریدوں کو دنیا کے نشیب و فراز سمجھا کر بادشاہ کی اطاعت پر راضی کر لیا ہے۔ چند روز بعد مان سنگھ اسی فریدوں اور اسکے دو بیٹوں کو لیکر راولپنڈی میں حاضر دربار ہوا۔ بادشاہ نے ان کی بہت خاطر تواضع کی۔ لیکن اس نے شائستگی سے کام نہ لیا۔ اس سے بادشاہ ناراض ہو گیا۔ اور ۲۲ دسمبر ۱۵۸۵ء کو حج بیت اللہ کے لئے روانہ کیا گیا۔

۱۳ دسمبر ۱۵۸۵ء کو لشکر ظفر موج حسن ابدال میں پہنچا کشمیر کی سفارت واپس آئی۔ اور خبر دی کہ امرائے کشمیر یوسف شاہ یا اسکے بیٹے کو دربار اکبری میں حاضر ہونے نہیں دیتے۔ اس مقام میں اکبر نے چار سو لڑائی کی چھیڑ چھاڑ کرنے کے ارادہ سے چار دستے مختلف سمتوں میں روانہ کئے۔ ایک دستہ مرزا شاہرخ بدخشانی راجہ بھگوانداس اور بھیو بقال کے گرفتار کنندہ شاہ قلی محرم کے زیر کمان بجانب کشمیر۔ دوسرا زین خان کوکہ دلپسر خواجہ مقصود ہراتی جو ہمایوں کی فراری کے بعد مریم مکانی کے ہمراہ رہا تھا کی سپہ سالاری میں یوسف زیوں کی سرکوبی کے لئے۔ تیسرا مان سنگھ کے زیر کمان تاجوں کی درہ خیبر میں گوشمالی کو بجانب کابل۔ چوتھا اسماعیل قلی برادر زادہ بیرم خان اور رائے رائے سنگھ راٹھوری کے زیر کمان بجانب بلوچستان روانہ کیا گیا۔ ۴ دسمبر ۱۵۸۵ء میں اکبر اٹک میں داخل ہوا۔ اور اس مقام میں تین ماہ بارہ روز تک قیام کیا فوج کی روانگی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ زیادہ تر لشکر کابل اور توران وغیرہ کی سمت میں بھیجا گیا تھا اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ خواہ اکبر توران و بدخشان فتح کرنیکی نیت نہ رکھتا ہو تاہم وہ اپنے حریف بادشاہ کو زبردست افواج کی نمائش سے مرعوب کرنا چاہتا تھا کہ اسکو افغانستان اور پھر ہندوستان پر چڑھائی کرنیکی جرات نہ ہو

غرض خود تو حسن ابدال میں قیام کیا۔ اور وہاں سے مشرق۔ شمال مغرب۔ مغرب اور جنوب مغرب میں لشکر کے پرے اس طرح منتشر کر دیئے۔ جس طرح آفتاب کی تیز و منور شعاعیں منتشر ہوتی ہیں۔

پیران روشنائی اور افغانستان کی لڑائی

اکبر کو سرحد افغانستان پر صرف عبداللہ خاں ازبک سے ہی کھٹکا نہ تھا۔ بلکہ سرزمین کابل میں ایک مذہبی رو نے ہل چل مچائی ہوئی تھی۔ اور اسکی تیز دھار کے جوش و خروش اور دھپیڑوں سے بچنے کے لئے اس مذہب کے پیروں پیروئوں کو راہ راست پر لانا ضروری تھا۔ اس مذہب کے بانی کا نام بایزید تھا۔ اسکی والدہ اور اسکے پڑداد اکا وطن جالندھر تھا۔ اور اسکے باپ نے کوہستان افغانستان کے اس خطہ میں جو دریائے سندھ کے معاونوں گومل اور کرم کے مابین ہے بمقام کانیگورام سکونت اختیار کی تھی مغلوں کے اوائل عہد میں بایزید اور اسکی والدہ بھی اس ملک میں چلی آئی۔ عبداللہ اسکے باپ نے پہلی بیوی کو طلاق دیکر ایک اور شادی کر لی۔ اور میاں بایزید کو سوتیلی ماں کے ہاتھوں بہت سے دُکھ سہنے پڑے۔ اس کے باپ نے بھی اسکی تعلیم وغیرہ سے غفلت کی اور میاں بایزید شتر بے مہار ہو گیا۔ اسکا ایک رشتہ دار شیخ اسماعیل متقی اور پرہیزگار درویش تھا۔ بایزید اسکی صحبت سے فیض حاصل کیا کرتا تھا۔ باپ اس تعلق سے جلتا تھا۔ اور کہتا تھا تم نے ایک مفلس کے پاس بیٹھ کر خاندان کے نام پر بٹہ لگا دیا ہے۔ اگر علم و معرفت کے چشمہ سے فائض المرام ہونا چاہتے ہو۔ شیخ بہاؤالدین ذکریا کے بیٹوں کی خدمت میں حاضر رہو۔ یہ شیخ بارھویں صدی کا ایک مشہور ولی تھا۔

بایزید (انصاری) باپ کے طعن و تشنیع سے مجبور ہو کر وطن سے نکلا۔ اور گھوڑوں کی تجارت میں ملک بہ ملک اور شہر بہ شہر پھرنے لگا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شہر سمرقند سے سفر کرتا ہوا۔ شہر کالنجر (واقع بندیلکھنڈ) میں پہنچا۔ اور ملا سلیمان ایک صاحبدل اور صاحب حال سے ملاقات ہوئی۔ اسکے خیالات اور پند و نصائح کے اثر سے بایزید اسکا مرید ہو گیا۔ بعد ازاں وہ ایک غار میں بیٹھکر عبادت اور مراقبوں میں مشغول رہا۔ اور پھر اپنے گاؤں میں شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ معرفت

قربت - وصلت - توحید - اور سکونت کے درجوں کی تلقین - اور وعظ و نصیحت کرتا رہا اسکے بہت سے مسائل تصوف سے ملتے ہیں - وہ کہتا تھا کہ خداوند تعالے میرے ساتھ وحی جبرائیل کی وساطت کے بغیر ہمکلام ہوتے ہیں - اسکا مدعا یہ تھا کہ قبائل افغانستان کی منتشر طاقتوں کو ایک مذہبی زنجیر میں جکڑ کر سلطنت مغلیہ کو ملیا میٹ کر دے اس علاقہ کے وزیریوں نے اسکو وہاں سے نکالدیا - طرہ یہ کہ اسکا باپ بھی اس سے سخت بگڑ گیا تھا - چنانچہ ایک موقع پر جب وہ اپنی غار میں عبادت کر رہا تھا اس کے والد نے اسکو تلوار سے زخمی کیا - ان وجوہات سے مجبور ہوکر اس نے سفید کوہ کے پرفضا دامن میں ہجرت کی - اس ملک کے حاکم سلطان احمد مہمندی نے اسکی بہت تعظیم وتکریم کی - لیکن یہاں تاجک لوگ اسکے وعظ سے بگڑے - اور اسکو یہانتک تنگ کیا کہ پشاور کے گرد نواح کے علاقہ میں آنا پڑا - ضلع ہشتنگر کے محمود زیوں نے اسکے مسائل کو قبول کیا اور اسکی امداد و اعانت پر کمر بستہ ہو گئے - وہ اور اسکے بیٹے ہشتنگر کے ایک اور قبیلہ عمرزئی میں بمقام کلا تیر سکونت پذیر ہوئے - بایزید نے سینوں کے ہاتھوں بہت تکالیف برداشت کی تھیں - اور چاہتا تھا کہ جس طرح بن پڑے - ان سے انتقام لے - وہ بلا کا مستعد اور پر جوش آدمی تھا - اور تھوڑے دنوں میں اپنے فرقہ کا روحانی اور دنیاوی سردار بنگیا - وہ کہتا تھا کہ مراقبہ کی حالت میں خدا سے میرا وصل ہوا - جس نے مجھے یہ اعلان کرنیکا حکم دیا ہے "میں نے تیرے ساتھ رہکر تجھکو دیکھا میں نے تیرے ساتھ رہکر تجھکو جانا" اس پر وجدسی حالت طاری ہوجایا کرتی تھی - اور اس حالت میں وہ من تو شدم تو من شدی کا مصداق ہوجاتا تھا - اور خود اسکا بھی یہی خیال تھا کہ میں خدا سے ایک ہوجاتا ہوں - آخر وجد و الہام کی نوبت یہانتک پہنچی کہ وہ اپنے آپ کو خلیفہ اللہ یا خدا کا قائمقام خیال کرنے لگا - اور عقل کل سر چشمہ جس سے چاروں طرف فیض جاری ہے - ان معنوں میں اس نے اپنے آپکو ابدی اور روشنی قرار دیا - اور اسکے مرید اسکو پیر روشنائی پکارتے تھے - قصہ مختصر اسکی طاقت بہت بڑھ گئی - اور اس نے اپنے اکثر دشمنوں کو مروا ڈالا - گورنمنٹ کابل کے حکم سے محسن خاں غازی علاقہ محمود زئی میں داخل ہوا - اور بایزید کو گرفتار کر لیا - اسکو کابل کے بازاروں میں کمال بے عزتی سے پھرایا گیا - آخر مرزا

محمد حکیم نے حکم دیا کہ دربار کے علما اسکے عقائد و مسائل کی تحقیقات کریں۔ اس نے اپنی لیاقت اور لسانی سے انکو بھی قائل کر لیا۔ اور دربار سے رہا ہو کر سفید کوہ کے علاقہ تیراہ میں چلا گیا۔ کیونکہ یہ مقام دشوار گذار ہے اس خطہ کے لوگوں کو مرید بنا کر انکو سپاہیوں اور مغلوں کی مخالفت پر آمادہ کیا۔ پیر نے بہت سی جمعیت اکٹھی کر کے میدان ننگرہار پر چھاپہ مارا۔ اور شہر بارہ کو جلا دیا۔ محسن غازی بھی تراغہ کے قریب اسکے عقب پر آ پڑا۔ پیر کی جماعت تتر بتر ہو گئی۔ اور خود پیر صاحب علاقہ ہشتنگر میں پناہ گزین ہوئے۔ اس علاقہ میں سفر کی کوفت اور پیاس وغیرہ سے بخار چڑھ آیا۔ اور چند روز بعد اپنے مریدوں کو داغ مفارقت دیگیا۔ وہ ضلع ہشتنگر کے شہر بھٹک پور میں مدفون ہوا۔

لیکن پیر روشنائی کی روشنی اسکی وفات کے ساتھ معدوم نہ ہوئی۔ پہلے تو اس فرقہ میں پشتو کے قبائل ہی شامل تھے۔ اس کے بعد مریدوں کی تعداد بہت بڑھ گئی اسکا بیٹا عمر تلوار ہاتھ میں لیکر کہنے لگا "میرے دوستو۔ آؤ۔ تمہارا پیر مرا نہیں۔ بلکہ اپنی مسند اپنے بیٹے شیخ عمر کے سپرد کر گیا ہے اور اس کو اور اس کے پیروؤں کو تمام دنیا کی سلطنت عطا کر گیا ہے"

عمر بہت مستعدی سے پشتو قبائل کو مریدوں کے سلسلہ میں شامل کرتا اور اپنی طاقت کو استحکام دیتا رہا۔ ایک سال گذرنے کے بعد اس نے اپنے والد کی ہڈیاں قبر سے نکال ایک صندوق میں بند کر دیں۔ بڑی بڑی تقریبوں اور لڑائیوں کے موقع پر اسکے مرید اس صندوق کو سر پر اٹھا کر آگے آگے جاتے تھے۔ اسکے مریدوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ آخر اسکی قبیلہ یوسف زئی سے ناچاقی ہو گئی۔ جو فی الفور منحرف ہو کر اسکے سخت دشمن ہو گئے۔ اس قبیلہ کے ایک گروہ نے دریائے اٹک کے مقام بارہ پر عمر کو شکست فاش دی۔ اور اسکو بمعہ خیر الدین اسکے بھائی کے قتل کر ڈالا۔ بایزید کا ایک اور بیٹا نور الدین ہشتنگر میں پناہ گزین ہوا۔ لیکن تھوڑے عرصہ بعد اسکو گوجروں نے قتل کر ڈالا۔ سب سے چھوٹا بیٹا جلال الدین یوسف زیوں کے ہاں قید رہا۔ [illegible]ء میں جب اکبر لاہور میں تھا۔ یوسف زیوں نے اسکو بادشاہ کے حکم سے حضور میں پہنچا دیا۔

اکبر گو روشنائیوں کی طاقت کو معدوم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن درہ خیبر کو آمدورفت کے لئے کھلا رکھنے۔ کے واسطے یہ ضروری تھا کہ زبردست قبیلہ یوسف زئی کی طاقت پامال کر دی جائے اس خیال کے پورا کرنے کے لئے جلال الدین سے بہتر کوئی اوزار نہ تھا۔ اکبر نے اسکو کمال شفقت سے اپنے پاس رکھا۔ اور اسکی دلجوئی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ مگر بقول ملا عبدالقادر "شقاوت" ذاتی اور موروثی لڑکے کی پیدائش میں تھی۔ اور خود بھی پیدائی تھی۔ اسلئے کچھ عرصہ کے بعد بھاگ گیا۔ انہیں افغانوں میں جاکر پھر رہزنی شروع کر دی۔ جم غفیر کو اپنے ساتھ متفق کر کے ہندوستان اور کابل کا رستہ بند کر دیا۔ ؎

اگر بیضۂ زاغ ظلمت سرشت — نہی زیر طاؤس باغ بہشت
بہنگام آں بیضہ پروردنش — زانجیر جنت دہی ارزنش
دہی آبش از چشمہ سلسبیل — دراں بیضہ گردم دمد جبرئیل
شود عاقبت بیضۂ زاغ، زاغ — کشد رنج بیہودہ طاؤس باغ

اس نے اپنے والد کی تقلید کر کے تیراہ میں جاکر بنگاش۔ آفریدی اور اورکزئی قبائل کو کو متحد کر کے مغلوں کا جانی دشمن بنا دیا۔ یہ لوگ درہ خیبر میں انکے سدراہ ہوتے تھے ہندوستان کے سنی علما اور خود اکبر کسی قدر تمسخر مگر زیادہ تر دشمنی کی وجہ سے اسکو "جلالہ تاریکی" کہتے تھے چنانچہ ملا صاحب فرماتے ہیں "فرقہ روشنائی روشنائی ۔۔ کہ حقیقت میں عین تاریکی تھی۔ اور ہم اپنی کتاب میں انھیں فرقہ تاریکی ہی لکھینگے" اسکے تدارک کے لئے بادشاہ نے کابل کو مان سنگھ کی جاگیر کر کے صوبہ دار کابل کیا۔ تاکہ ان سرشوروں کو تنبیہ کرے۔ مگر اس نوجوان نے اپنے مریدوں کو ابھارا انکو فتح کا یقین دلایا۔ اور شاہ پشتنو کا لقب اختیار کر کے ہندوستان پر جہاد کرنیکے لئے سپاہ جمع کرنے لگا۔ ۱۵۸۰ء کے شروع میں اس نے مہمند اور گھریہ خیل کی اعانت کی۔ جو سعید حمیدی بخاری جاگیردار پشاور کے کارداروں سے سخت تنگ آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے پھر خود سعید حمیدی پر حملہ کیا۔ جو اپنے چالیس رشتہ داروں اور پیروؤں کے ہمراہ بمقام بگرام (پشاور) قتل ہوا۔ ممکن تھا کہ جلال الدین کو اپنے لمبے چوڑے ارادوں میں کامیابی ہوتی۔ لیکن وہ یوسفزئیوں

کو اپنی حمایت کی ترغیب دینے میں کامیاب نہ ہُوا۔ اور پشتو بادشاہت کا خواب و خیال حباب کی طرح معدوم ہوگیا۔

جلال میدان پشاور اور تیراہ پر قابض ہو گیا۔ ہندوستان کے تمام فاتح درہ خیبر اور میدان مذکور سے گذر کر ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اور اب اس پرجوش نوجوان کا ارادہ بھی یہی تھا۔ میدان مذکور کے شمالی حصہ اور سوات اور باجور کے زرخیز دیہات میں یوسف زیوں کا طوطی بول رہا تھا۔ یوسف زیوں کو بابر بھی مطیع نہ کرسکا تھا۔ اب بھی انکے عجب۔ غرور اور آزادی کی ہوس میں فرق نہ آیا تھا۔ سب سے پہلے ان شورہ پشت افغانوں کی سرکوبی مناسب معلوم ہوئی۔ بنابریں ۲ دسمبر ۱۵۸۵ء میں اکبر نے مان سنگھ کو درہ خیبر کے قبائل کی گوشمالی اور راستہ مذکور کے صاف کرنے اور زین خان کو یوسف زیوں کے مقابلہ پر بھیجا۔ زین خاں اکبر کا کوکہ اور خواجہ مقصود ہراتی کا بیٹا تھا۔ اسی خواجہ مقصود کا جس نے ہمایوں کے فارس جانیکے بعد مریم مکانی کی حفاظت کی تھی۔ گو وہ بامذاق اور عالم شخص تھا۔ لیکن لوگوں پر حکومت اور بالخصوص سپہ سالاری کرنیکا مادہ کم پایا تھا۔ ۱۳ جنوری ۱۵۸۵ء تک کوئی لڑائی نہ ہوئی۔ آخر اس نے سعید خاں گکھر شیخ فیضی اور شیخ ابوالبرکات اور اور سرداروں کو میدان پشاور کو صاف کرنیکے لئے روانہ کیا۔ اور کہا کہ پھر کوہستان میں میرے سے آملو۔

تھوڑے روز بعد اکبر نے راجہ بیربر اور حکیم ابوالفتح کو زین خاں کی امداد کے لئے بھیجا۔ زین خاں نے ملک باجور کو مسخر کیا اور پھر سوات میں داخل ہوا۔ اور افغانوں کو شکست دیکر چکدرہ میں ایک قلعہ تعمیر کیا۔ اس اثناء میں راجہ اور حکیم بھی جا پہنچے۔ اگرچہ راجہ کی اور زین خاں کی پہلے سے چشمک تھی۔ لیکن جب ان کے آنے کی خبر پہنچی تو حوصلہ سپہ سالاری کو کام میں لایا۔ رستے میں استقبال کیا صفائی اور گرمجوشی سے باتیں کیں۔ قلعہ چکدرہ میں جشن کیا۔ ان لوگوں کو اپنا مہمان قرار دیکر بہت خاطر داری کی۔ اور مہمانی کے بڑے بڑے سامان کر کے اپنے خیموں پر بلایا کہ تجویزوں پر اتفاق رائے ہو جائے۔ راجہ نے بہت سی شکائتیں کیں اور کہا کہ بادشاہی توپخانہ ہمارے ساتھ ہے۔ بندگان دولت کو چاہیئے تھا کہ اسکے گرد آکر جمع ہوتے اور یہاں صلاح مشورہ کی گفتگو ہوتی۔ زین خاں بے تکلف چلا آیا اور سب سردار بھی

اسکے ساتھ آئے۔ بدترین اتفاق یہ کہ راجہ اور حکیم کی بھی صفائی نہ تھی۔ دونوں میں گالی گلوچ تک نوبت پہنچی۔ کوکلتاش زین خان نے صفائی کرادی لیکن دلی کدورتیں دور نہ ہوئیں۔ تینوں میں عداوت اور نفاق بڑھتا گیا۔ غرض ہر ایک کی خود پسندی نے مہم کو بگاڑ دیا۔ ایک ٹیلے پر چڑھ کر نشان دکھایا تھا کہ افغان نمودار ہوئے۔ بادشاہی لشکر نے غنیم کو مار کر ہٹا دیا۔ باقی لشکر نے ایک مقام پر منزل کر دی مگر راجہ بیربر آگے نکل گئے۔ لشکر والوں نے انکو بڑھتا ہوا دیکھکر خیمے اکھاڑے۔ اور پیچھے بھاگے افغان بھی دائیں بائیں پہاڑوں پر لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے جو ہلچل دیکھی لوٹنا شروع کر دیا چھ کوس تک لڑتے بھڑتے چلے گئے۔ زین خاں کی صلاح تھی کہ اس مقام پر ٹھیر کر افغانوں کی گوشمالی کریں۔ یا حضور سے کمک منگائیں۔ راجہ وغیرہ کی صلاح ہوئی کہ یہاں سے نکل چلو۔ اور گھر چل کر خاطر جمع سے بیٹھ جاؤ دوسرے روز پھر روانہ ہوئے۔ افغانوں نے پھر لوٹنا شروع کیا۔ بادشاہی فوج نے شکست کھائی۔ زین خاں اور حکیم ابوالفتح بڑی جان کندن سے منزل پر پہنچے۔ لشکر شاہی کے بہت سے آدمی[1] مارے گئے۔ بہت سے قید ہوئے۔ آزاد لکھتے ہیں سب سے زیادہ افسوس یہ کہ بیربر کا پتہ نہ لگا۔ اور وہ کیا ہزاروں آدمی جانوں سے گئے (مبالغہ معلوم ہوتا ہے) جن میں سے اکثر بادشاہ شناس اور درباری منصبدار تھے۔ اور قیدیوں کی تو گنتی کہاں غرض ایسی شکست فاش ہوئی کہ تمام اکبری سلطنت میں کبھی اس خرابی کے ساتھ فوج نہیں بھاگی۔ چالیس پچاس ہزار میں سے کچھ بھی باقی نہ رہا۔ زین خان اور حکیم ابوالفتح نے کمال بدحالی کے ساتھ اٹک میں آکر دم لیا۔ ... اس خبر کے سننے سے خصوصاً راجہ بیربر کے مرنے سے .. خاطر قدسی پر اسقدر بار غم ہوا کہ گویا ابتدائے جلوس سے آجتک نہ ہوا تھا۔ دو رات دن معمولی آرام نہ کیا۔ بلکہ کھانا تک نہ کھایا۔ مریم مکانی نے بہت سمجھایا۔ بندگان عقیدت کیش نے نالہ وزاری کی تو طبیعت کو مجبور کر کے کھانے پینے پر متوجہ ہوئے۔ زین خاں اور حکیم وغیرہ سلام سے محروم کئے گئے۔ لاش کی بڑی تلاش رہی۔ مگر افسوس کہ وہ بھی نہ پائی

---

[1] ابوالفضل کا قول ہے کہ اس لڑائی میں جو بمقام کاہن پور ہوئی ۵ سو آدمی کھیت رہے۔ راجہ بیربر نہایت مشہور سرداروں میں سے تھے۔ (راجہ بیربر کے مفصل حالات کیلئے سوانح عمری بیربر طلب کریں!)

اس لڑائی کے افسوسناک انجام اور لشکر شاہی کی تباہی کے بعد بادشاہ نے راجہ ٹوڈرمل کو سپاہ کثیر کے ساتھ روانہ کیا۔ اس نے بڑی ہشیاری اور تدبیر کے ساتھ مہم کو سرانجام کیا۔ بہت بندوبست کے ساتھ پہاڑوں میں داخل ہوا۔ جابجا قلعے بنواتا گیا۔ اور ملک مذکور کو تاخت و تاراج کرتا ہوا۔ برق و باراں کی تیزی سے آگے بڑھا۔ غنیموں کو کہیں سنبھلنے کی فرصت بھی نہ دی۔ اور افغان تنگ ہوکر پریشان ہو گئے۔ تھوڑا عرصہ بعد راجہ موصوف کو مہم کشمیر میں بلالیا گیا۔

گرمی کے موسم میں راجہ مان سنگھ۔ اسماعیل قلی خاں۔ اور زین خاں فوج لیکر چڑھے۔ درہ خیبر کے نواح میں سخت لڑائی ہوئی۔ جلالہ بنگش کی جانب بھاگ نکلا۔ عبدالمطلب خاں سید باریہ اسکے تعاقب میں گیا۔ جلالہ پھر فوج جمع کر کے مقابلہ پر آیا۔ لیکن پھر فرار ہو گیا چند روز پہاڑوں میں آوارہ گردی کرتا عبداللہ ازبک کے پاس پہنچا۔ مگر مدت میں پھر افغانی علاقہ میں راہزنی کرنے لگا۔ اور کابل و ہندوستان کا رستہ بند کر دیا۔ بادشاہ نے آصف خاں قزوینی کو سپہ سالار کر کے فوج بھیجی جلالہ تو بھاگ گیا۔ اسکا بھائی واحد علی اور متعلقین (قریباً چار سو) گرفتار ہوئے یہ فساد قریباً بیس برس تک رہا جلالہ بہت مدت تک ڈانواں ڈول پھرتا رہا آخر سنہ ۱۶۰۰ء میں غزنی پر قبضہ کر لیا۔ لیکن تھوڑے عرصہ میں گرفتار ہو کر مارا گیا۔

مولانا آزاد نے روشنائیوں کے تذکرہ میں ذیل کے واقعہ کو قلم انداز کر دیا ہے چونکہ اسکا واقعات کابل سے اہم تعلق ہے ہم اسکو بیان کرنا مناسب بلکہ انسب سمجھتے ہیں وھو ہذا:-

بلخ کا حاکم نذر بے بادشاہ ہندوستان کے سامنے اظہار اطاعت کرنے کے خیال سے درہ خیبر کی طرف روانہ ہوا۔ اس خبر کو سنکر اور غالباً اس اندیشہ سے کہ اکبر کی جو افواج افغانستان میں ہیں۔ وہ بدخشاں اور توران پر حملہ آور نہ ہوں۔ عبداللہ خاں نے اپنا ایک سفیر میر قریشی کو عمدہ عمدہ گھوڑے۔ مضبوط اونٹ تیز خچر۔ جنگلی حیوان اور قیمتی پوستینیں دیکر اکبر کے دربار میں بھیجا۔ اسوقت درہ پر روشنائیوں نے طوفان بے تمیزی برپا کیا ہوا تھا۔ بادشاہ نے اپنی باڈی گارڈ (احدی) کے دستہ کو حاکم بلخ اور سفیر بدخشاں (جو رستہ میں کسی مقام پر اکٹھے ہو گئے تھے)

کی حفاظت کے لئے بھیجا۔ جب یہ کارواں آرہا تھا۔ مان سنگھ کو روشنائیوں پر بہت بڑی فتح حاصل ہوئی۔ بادشاہ نے میر کو چند روز کے بعد باریابی کا موقع دیا۔ ۲۴ فروری ۱۵۸۶ء کو عالیشان دربار ہوا۔ اور بادشاہ نے عبداللہ خاں کے مراسلہ کو پڑھوایا اور اسکے تحائف قبول کئے۔ غرض کابل کی مہم کا خاطر خواہ فیصلہ ہوگیا۔ اور ادھر سے جو کھٹکا لگا رہتا تھا۔ وہ خاطر اقدس سے دور ہوگیا۔

تسخیر کشمیر

میر قریش سفیر بدخشاں کو باریابی کے بعد فی الفور واپسی کی اجازت نہ ملی کیونکہ اسوقت بادشاہ کے دل میں مہم کشمیر کا بھی کھٹکا لگا رہتا تھا۔ پہلے بیان ہوچکا ہے کہ حسن ابدال کی چھاؤنی سے ۲۰ دسمبر ۱۵۸۵ء کو شاہرخ مرزا اور بھگوان داس بقول نظام الدین ۵ ہزار لشکر جرار لیکر کشمیر جنت نظیر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ یہ بھی مجمل طور سے بتایا گیا تھا کہ اکبر نے یوسف خاں شاہ کشمیر کو سفیروں کی زبانی کہلا بھیجا تھا کہ خود یا اپنے بیٹے یعقوب کو اظہار اطاعت کے لئے بھیجے۔ مگر امرائے کشمیر نے دونوں باتوں سے منع کیا۔ اس سے اکبر بہت خفا ہوا۔ اور فتح کشمیر کے لئے مہم مذکور روانہ کی۔ لیکن اس مہم کی کارروائی کی کیفیت دکھانے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر اور سلطنت مغلیہ کے سابقہ تعلقات پر سرسری نظر ڈالی جائے جس سے تشریح مطالب میں امداد ملیگی۔

اول اول بابر نے ایک بادشاہ کو ۱۵۲۹ء میں تخت آبائی حاصل کرنے میں امداد دی تھی پھر ہمایوں نے ۱۵۴۰ء میں اپنے چچازاد بھائی حیدر مرزا کو فتح کشمیر کے لئے روانہ کیا۔ جو ملک کی خانہ جنگی کے باعث صرف ۴ ہزار فوج کی مدد سے کشمیر پر قابض ہوگیا۔ یہ وہی حیدر مرزا ہے جس نے تاریخ رشیدی لکھی ہے وہ دس سال تک خود مختار بادشاہ بنا رہا۔ ۱۵۵۰ء میں ہمایوں کے نام پر سکہ خطبہ جاری کردیا۔ اسکی وفات پر امرائے کشمیر نے ایک نام نہاد بادشاہ کو اپنا حاکم بنا لیا اسکے بعد کچھ عرصہ تک بادشاہ گردی رہی۔ اور آخر حسین خاں بادشاہ ہوا۔ اسکے عہد میں ایک واقعہ ہوا جس سے اکبر بہت بگڑ گیا۔ اس نے بادشاہ کو خوش کرنے کے

خمپال سے قیمتی تحائف اور اپنی بیٹی کو حرم شاہی میں بھیجا۔ اور خود باجگذار ہونا منظور کیا۔ لیکن بادشاہ نے اسکی بیٹی سے شادی کرنے سے انکار کیا۔ اس خبر سے شاہ کشمیر ایسا علیل ہوا کہ کاروبار سلطنت کے قابل نہ رہا۔ اسکی بجائے اسکا بھائی علیشاہ چک تخت نشین ہوا۔ اس نے کشمیر میں اکبر کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اور اپنی بھتیجی کی شادی شہزادہ سلیم سے کردی۔ جب علی شاہ نے وفات پائی اسکا بیٹا یوسف تخت نشین ہوا۔ معاً خانہ جنگی شروع ہوئی۔ یوسف شکست کھا کر شاہ دہلی کے ہاں پناہ گزین ہوا۔ جلوس کے پچیسویں سال میں راجہ مان سنگھ اور سید یوسف رضوی نے شاہ کشمیر کو پھر مسند نشین کیا۔ ۱۹ اکتوبر ۱۵۸۵ء کو حکیم علی گیلانی اور بہاء الدین کنبوہ بلاد کشمیر میں بھیجے گئے۔ یوسف شاہ دربار اکبری میں اپنے امیروں کے دباؤ سے حاضر نہ ہو سکا۔ اکبر نے اس امر کو ایک معقول وجہ قرار دیکر کشمیر پر چڑھائی کردی۔ نظام الدین کا قول ہے کہ مرزا شاہرخ اور راجہ بھگوانداس ۵ ہزار فوج لیکر کشمیر کی طرف بڑھے۔ انکے ہمراہ یوسف شاہ کا بیٹا حیدر چک بھی تھا جو اپنے باپ سے عاق تھا۔

شاہی سپہ سالاروں کا ارادہ تھا کہ درہ بھمبر سے کشمیر میں داخل ہوں کیونکہ یہ درہ کشادہ تھا۔ اور گرد نواح کے زمیندار اکبر کی اطاعت قبول کر چکے تھے۔ لیکن دشمن کی بہت جلد گوشمالی کے خیال سے لشکر شاہی درہ پکھال سے اس ملک میں داخل ہوا۔ یوسف خان شاہ کشمیر نے اپنی چیدہ فوج درہ بھمبر کی جانب دریائے بین شکھ کے کناروں پر جا رکھی تھی۔ اسکو یہ خبر نہ تھی کہ لشکر منصور دوسری راہ سے کشمیر میں امنڈ آیا ہے۔ اس نے مجبوراً شاہ ہندوستان کی خدمت میں حاضر ہونا منظور کیا۔ اکبر نے شاہ کو دربار میں حاضر ہونیکی اجازت تو دیدی۔ لیکن اپنے امرا کو تاکید کردی کہ ملک پر قابض ہو جائیں۔ ادھر بادشاہ سے وعدہ کیا کہ جب ملک پر بخوبی تسلط ہو جائیگا تو تمکو بطور باجگذار واپس کر دیا جائیگا۔ امرائے کشمیر نے ایک شخص اولاد حسین اور پھر یوسف کے بیٹے یعقوب کو بادشاہ منتخب کیا۔ اور وہ دروں کی حفاظت پر مستعد ہو گئے راجہ بھگوانداس نے بیٹے مادھو سنگھ نے ایک دوسرے فوج چڑھا دی

اور یعقوب کو طوعاً وکرہاً شرائط صلح پیش کرنی پڑیں۔ چنانچہ اکبر نے مندرجہ ذیل شرائط کو منظور فرمایا۔ بادشاہ ہندوستان کے نام کا سکہ وخطبہ جاری ہو۔ اکبری داروغے زعفران۔ ریشم اور پوستینوں کا محصول چنگی جمع کریں۔

لیکن تھوڑے روز بعد یعقوب نے پھر علم بغاوت بلند کیا۔ اور عہد وپیمان کو بالائے طاق رکھکر شاہی لشکر کے مقابلہ کو بڑھا۔ اس اثناء میں راجہ بھگوان داس جنون کے غلبہ سے بیمار ہوگیا تھا۔ شاہ رخ مرزا نے کشمیر کی سپہ سالاری سے کانوں پر ہاتھ دھرے۔ بادشاہ نے آخر کار قاسم خاں میر بحر کو کشمیریوں کی سرکوبی پر مامور کیا۔ شاہی لشکر درہ بھمبر سے گذر کشمیر میں داخل ہؤا۔ اسوقت بعض امرا کی زبانی معلوم ہوا کہ یعقوب فرار ہوگیا ہے اور ملک کے امرا وعمائد فوج ظفر موج کی آمد کے منتظر ہیں۔ جب درہ کپیر بل پر پہنچے تو برف اور بارش نے کشمیریوں کی امداد غیبی کی۔ مگر لشکر شاہی کے بہادر سپہ سالار نے حوصلہ نہ ہارا اور ادھر امرائے کشمیر میں پھوٹ پڑگئی۔ یعقوب تو موروثی بادشاہ تھا شمس چک اور حیدر چک وغیرہ بھی شاہی کی ہوس میں بدمست ہورہے تھے یعقوب نے سوچا کہ اس نفاق کا نتیجہ ملک کی بربادی ہوگا۔ شمس چک اور محمد بھٹ وغیرہ امرا کو اپنا حامی بنالیا۔ مگر کئی مرتبہ شاہی لشکر کے ہاتھوں شکست کھائی۔ اور بنوں جنگلوں اور پہاڑیوں میں بھاگا پھرتا تھا۔ کبھی پھر سپاہ جمع کرکے پایہ تخت کے قریب پہنچ جاتا تھا۔ انجام کار قاسم خاں سری نگر دار الخلافہ کشمیر پر قابض ہوگیا۔ مگر ملک میں بخوبی امن نہ ہؤا۔ کشمیریوں کے مختلف دستے یعقوب اور دیگر سرداروں کے زیر کمان موقع پاتے تھے تو لوٹ مار کرکے چھپ جاتے تھے۔ قاسم خاں اس حالت کو دیکھکر دل برداشتہ ہوگیا۔ اور بادشاہ کی خدمت میں عرضداشت بھیجی کہ مجھے دربار میں بلالیں۔ دوریں یادشاہ نے مرزا یوسف خاں ایک مشہدی سید کو کشمیر کا قرار واقعی انتظام کرنے کیلئے روانہ کیا۔ یعقوب کٹ تار میں فرار ہوگیا اور شمس چک کرخ کی پہاڑیوں میں روپوش ہوگیا۔ مبارک خاں۔ جلال خاں اور سید دولت شمس چک کے مقابلہ پر روانہ ہوئے۔ انہوں نے چند روز میں اسکو شکست دیکر دنیا میں بھیجدیا۔

سیر کشمیر

۱۵۸۶ء کے شروع میں اکبر کی سلطنت میں امن وچین اور بالخصوص کابل کی حالت بہت اطمینان بخش تھی۔ ادھر سرحد پر روشنائی فرقہ پر فتح حاصل ہوئی غرض ہر طرح اکبر کو اطمینان تھا۔ ۵ مئی سنہ مذکور میں بادشاہ نے اپنے بیٹے مراد کی شادی عزیز کوکہ کی بیٹی سے رچائی۔ لیکن جیسا کہ قاعدہ ہے بادشاہ کو اس خوشی کے ساتھ وزیر خاں گورنر بنگالہ کی موت سے بہت غم ہوا۔ اس صوبہ پر سعید خاں چغتائی کو تعینات کیا گیا۔ اور تالیف قلوب کے خیال سے یوسف شاہ سابق والئے کشمیر کو بہار کی صوبہ داری پر مامور کیا گیا۔

کشمیر کے پر فضا اور شاندار نظاروں کے حسب حال کسی شاعر نے یہ شعر موزوں کیا ہے۔

اگر فردوس بر روئے زمین است ہمین است وہمین است وہمین است

مدت سے اکبر کشمیر جنت نظیر کی سیر کا ارمان دل میں لئے ہوئے تھا آخر فضل ایزدی سے اسکے دل کی یہ آرزو بر آئی۔ اس نے اپنے دربار کے چیدہ چیدہ اور معتمد اراکین ساتھ لئے۔ اور وہ بھمبر اور رتن پنجال سے سرزمین کشمیر میں داخل ہوا۔ بادشاہ اور اسکے ہمراہی کبھی گھوڑوں پر سوار۔ کبھی پیادہ پا جاتے اور دلکش نظاروں کو دیکھتے جاتے تھے۔ جب دھوپ ستاتی تھی سبز سبز سایہ دار درختوں کے نیچے آرام کرتے تھے۔ اور علمی گفتگو سے دل بہلاتے اور قدرت کے سینوں سے آنکھوں کو تراوت دیتے تھے۔ اکبر نے ملک الشعرا فیضی اور میر شریف کو بہت سا خزانہ دیکر پہلے بھیجدیا تھا کہ پایہ تخت کشمیر کے غربا۔ مساکین۔ اور فقرا وغیرہ میں تقسیم کریں۔ کشمیر کی خوبیاں معرض تحریر میں نہیں آسکتیں۔ جب تک اس بہشت کو آنکھوں سے نہ دیکھیں۔ شاعروں اور مصنفوں نے اسکی جو تعریفیں کی ہیں خیالی اور مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن جب اس ملک کی سیر کر کے تمام پر فضا اور دلکش نظارے دیکھ لئے جائیں۔ تو خیال آتا ہے کہ شاعروں اور مصنفوں کی تمام تعریفیں کشمیر کی واقعی خوبصورتی کے مقابلہ میں ہیچ ہیں کشمیر

کی وادی کا طول ۱۲۰ میل اور عرض ساٹھ سے نوے میل تک کے درمیان ہے یہ ملک دامن کوہ میں واقع ہے۔ سال کے اکثر حصوں میں دریا کے کناروں پر نہایت پر فضا سبزہ زار نظر آتے ہیں۔ چاول۔ زعفران اور ڈل (کشمیر کی جھیل) کے تیرنے والے مکانات کا نظارہ قابل دید ہے۔ کشمیر کی بلندی سطح بحر سے ۵ ہزار فٹ ہے۔ اکبر حیدر مرزا کے باغ اور پہاڑیوں پر چڑھ کر قدرتی نظاروں کو دیکھ کر باغ باغ ہوگیا۔ اس ملک میں آڑو۔ انار۔ خرمانی۔ چکوترے۔ انجیر۔ سیب۔ ناشپاتی (جسکو پنجاب میں عموماً ناک کہتے ہیں) کے درخت اور خربوزے نہایت کثرت سے ہوتے ہیں۔ بالخصوص کشمیری ناشپاتی بہت شیریں اور لذیذ ہوتی ہے۔ اور کشمیری انار دیکھ کر حسینوں کے سرخ رخسار یاد آتے ہیں۔ بادام اور دیگر میوجات ارزاں اور افراط سے ملتے ہیں۔ چاروں طرف پہاڑوں کی سر بفلک چوٹیاں۔ قدرتی چشمے سبزہ زار لہلہاتے کھیت۔ ہرے بھرے درخت نظر آتے ہیں۔ دیودار۔ چیڑ وغیرہ کے جنگل دامن کوہ پر بادلوں میں گھسے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ جھیلوں۔ نالوں وغیرہ کا منظر بہت دلفریب اور دلکش ہے۔ جابجا دیہات اور شہر ہیں۔ جہاں تھکے ہوئے مسافر آرام کر سکتے ہیں۔ اکبر اس قسم کے نظاروں کو دیکھکر طبعاً خوش ہوا لیکن اسکے امن کے قیام اور حسن انتظام نے اس خوشی کو دوبالا کر دیا۔

اکبر نے اسلام آباد اور سری نگر میں چنار اور سرو کے درخت لگوائے۔ جو ابتک اس عظیم الشان بادشاہ کی مستعدی اور خوبصورتی کے اشتیاق پر دلالت کرتے ہیں۔ اس نے سری نگر کے مشرق میں ایک بلند پہاڑ ہری پربت پر قریباً گیارہ ہزار روپے کی لاگت سے ایک خوشنما اور مضبوط قلعہ بنوایا جو الہ آباد اور اٹک کے قلعوں کا ہم پلہ تھا۔ لیکن اکبر کے اس محل کا جو قریباً ساڑھے تین لاکھ روپے کی لاگت سے بنا تھا۔ کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ غالباً محل کشمیر کے طرز پر لکڑی کا ہوگا جو شاید آتشزدگی سے تباہ ہو گیا ہوگا کیونکہ کشمیر میں آتشزدگی کے واقعات اکثر ہوتے رہتے ہیں۔

یعقوب بادشاہ کی آمد تنکر کوہستان میں اپنے ملجا و ماوے میں ٹھہرا رہا تھا۔ اور اسکو ہردم یہ اندیشہ رہتا تھا کہ قرب وجوار کے سردار گرفتار کر کے اکبر کے حوالے

نہ کر دیں۔ اس نے سوائے اطاعت کے کوئی چارہ نہ دیکھا۔ آخر یوسف مرزا مشہدی کی سفارش سے بادشاہ نے اسکا قصور معاف کیا۔ اور باریابی کی اجازت دی۔ بادشاہ بارش کے شروع ہونے تک کشمیر میں قیام پذیر رہا۔ اور پھر پکھالی اور بارہ مولائی راہ سے ہندوستان میں داخل ہؤا۔ لیکن کشمیر کے پر فضا سینوں۔ اور دلکش نظاروں سے جو خوشی ہوئی تھی اس کے کاسہ میں قسام قدرت نے تھوڑا سا زہر بھی ملا دیا جس سے اکبر کو بہت صدمہ پہنچا۔ یعنے کشمیر میں امیر فتح اللہ شیرازی جو اکبر کے دربار میں صدر تھا۔ اور علم و فضیلت۔ فلسفہ اور علم السنہ میں یگانہ دہر تھا اس دنیا ئے دوں سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کر گیا۔ اکبر کا ایک اور مقرب اور دوست حکیم ابوالفتح سرحد کشمیر کے مقام دنتور میں فوت ہؤا۔ اور چند روز بعد راجہ ٹوڈرمل اور بھگوانداس لاہور میں سرگرائے ہوتے۔ اکبر کو بالخصوص راجہ ٹوڈرمل، ایسے مدبر اور یگانہ دہر کی وفات سے نہایت رنج ہؤا کیونکہ وہ مہمات سلطنت میں اکبر کا دایاں بازو تھا اور اپنی صائب رائے اور دانش و غور سے مشورہ دیا کرتا تھا اور اسوقت بادشاہ ملک دکن کی تسخیر کا ارادہ رکھتا تھا۔ اور ٹوڈرمل کی بہت ضرورت تھی۔ دسمبر سے برہان الملک جو تیراہ سے آیا تھا۔ بادشاہ سے اجازت لیکر دکن کی طرف روانہ ہؤا۔ اور خان اعظم گورنر مالوہ اور راجہ علی خان والئے خاندیس کو حکم ہؤا کہ اسکی ملک دکن کے مطیع و مسخر کرنے میں حتی الوسع مدد کریں ؛

کشمیر کا دوسرا سفر

کشمیر کے دوسرے سفر کی وجہ یہ تھی کہ یوسف مرزا سابق شاہ کشمیر کے بھتیجے یادگار مرزا نے بعض امرا کے بہکانے سے علم بغاوت بلند کیا تھا۔ اس نے حسن بیگ ایک شاہی امیر کے مکان پر حملہ کیا شاہی افسر اسکی بغاوت کو فرو نہ کر سکے۔ بنا بریں بادشاہ بذات خود دریائے چناب کو عبور کر کے کشمیر میں داخل ہؤا۔ اور زین خاں کوکہ اور پنجاب کے سرداروں کو کمک بھیجنے کی تاکید کی۔ پیاسپور میں یادگار مرزا کا سر بادشاہ کے قدموں پر ڈالا گیا۔ جسکو خود اسکے پیروؤں نے قتل کر ڈالا تھا۔ کشمیر کی مہم باون روز میں ختم ہوگئی۔ اور ملک میں بدستور امن قائم ہوگیا۔ شاہ عالم ۸ اگست ۱۵۹۲ء

کو لاہور سے روانہ ہوئے تھے۔ اور ۴ اکتوبر سنہ مذکور کو سری نگر پہنچ گئے۔ یہاں ملک کا انتظام اپنے بعض معتمد اور تجربہ کار امیروں کے سپرد کیا۔ اور دریا کی راہ سے کشمیر کے زعفران کے کھیتوں کی سیر کی۔ ان کھیتوں اور ان کے گرد و نواح میں چاروں طرف ہوا میں خوشبو کی لپٹیں آتی تھیں۔ اور نظارہ نہایت خوشنما تھا۔ ۱۴ اکتوبر کو دیوالی کا تیوہار نہایت دھوم دھام سے ہوا۔ اور اسی روز شمس الدین چک کی بیٹی حرم سلطانی میں داخل ہوئی۔ مبارک خاں اور حسین چک کی بیٹیاں شہزادہ سلیم کے عقد نکاح میں آئیں۔ اور بادشاہ کے امرا کی کشمیری امرا کے گھرانوں میں شادیاں رچائی گئیں۔ ۹ دسمبر کو بادشاہ کشمیر کی برف باری۔ اور بارش کا دلچسپ نظارہ دیکھنے کے بعد لاہور میں تشریف لائے۔

اسوقت بادشاہ کی سلطنت میں بہت سے صوبے۔ علاقے اور ملک شامل ہو گئے تھے۔ مثلاً کشمیر۔ جوناگڈھ۔ سومنات۔ اوڑیسہ۔ سیوستان۔ سندھ کابل۔ گجرات۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور اس زمانہ کے لحاظ سے ملک میں چاروں طرف امن قائم تھا۔ عبداللہ خاں ازبک کو اکبر کی روزافزوں ترقی دیکھ کر کابل یا ہندوستان کی طرف بڑھنے کی جرات نہ ہوئی۔ اس نے اکبر کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ عبداللہ من کو رشتہ فرزندی میں شرف قبولیت بخشی جائے۔ اکبر نے اسکے جواب میں ایک طویل خط لکھوا کر بھیجا۔ اور کہا کہ تمہاری یہ درخواست ہماری چشک ہے۔ اور اپنی فتوحات۔ ملک کی سرسبزی و فارغ البالی اور خدا تعالے کی نعمتوں کی تفصیل اس پیرایہ میں لکھی کہ ازبک بادشاہ دم بخود ہو گیا۔ اور پھر اس قسم کی گستاخی کی جرات نہ ہوئی۔

دکن کی فتح

اکبر کے دل میں مدت سے یہ آرزو تھی کہ تمام دکن کو زیر نگین کر کے اپنی سلطنت کو ہندوستان کے چاروں طرف پھیلا دے۔ فتح کشمیر میں ہم ان امور کی طرف ضمناً اشارہ کر چکے ہیں۔ اب فتح دکن کے مختلف واقعات لکھتے ہیں۔ لیکن اس سے پیشتر دکن کی خود مختار سلطنتوں کا مختصر حال بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

علاء الدین خلجی کے زمانہ میں مسلمانوں نے دکن کا بہت سا حصہ فتح کرلیا تھا لیکن اس زمانہ میں اور اسکے بعد بہت عرصہ تک مسلمانوں نے سرزمین دکن میں مستقل رہایش اختیار نہیں کی۔ دہلی کے خاندان افغانیہ میں بعض بادشاہ ایسے بے حقیقت گذرے ہیں کہ ان کے عہد میں کئی جگہ مسلمانوں کی اور خود مختار ریاستیں بھی قائم ہوگئیں۔ ان میں سے دکن کی سلطنت برہمنی بڑی مشہور تھی۔ اسکا بانی ایک افغان سردار ظفر خاں نام گذرا ہے۔ جو محمد تغلق کے عہد میں تھا۔ دہلی سے جو حاکم ظفر خاں سے لڑنے گئے تھے۔ ان سب کو اس نے مغلوب کیا۔ اور گلبرگہ کو اپنا تخت گاہ بناکر سلطنت دکن کا خودسر بادشاہ بن گیا۔ ظفر خان اصل میں گنگو نام ایک برہمن کا غلام تھا۔ گنگو اس پر بڑی مہربانی کیا کرتا تھا۔ اور اس نے پہلے ہی سے کہدیا تھا کہ تو بڑا صاحب نصیب ہوگا۔ غرض جب ظفر خاں نے عروج پکڑا۔ تو اپنے پرانے مہربان آقا کی یادگار میں اپنا لقب سلطان علاء الدین حسن گنگو برہمنی رکھا۔ اور اسی وجہ سے اسکا خاندان تاریخوں میں برہمنی خاندان کے نام سے مشہور ہے۔ پانی پت کی اول لڑائی کے باعث خاندان افغانیہ کا خاتمہ ہوا۔ اور ساتھ ہی دکن میں برہمنی خاندان کا چراغ بھی گل ہوگیا۔ رفتہ رفتہ اسکی جگہ دکن میں پانچ بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہوگئیں۔ اور جبتک دلی کے بادشاہان مغلیہ نے ان سب کو فتح نہ کرلیا۔ برابر حکمرانی کرتی رہیں۔ ان پانچوں سلطنتوں کی کیفیت یہ ہے۔

اول سلطنت عادل شاہیہ اسکی بنیاد سنہ ۱۴۸۹ء میں عادل شاہ نے ڈالی تھی اسکا پایہ تخت بیجاپور تھا۔

دوم سلطنت نظام شاہیہ جسکا بانی ایک شخص ملک احمد نامی تھا جو سنہ ۱۴۹۰ء میں خودمختار بن بیٹھا۔ اسکا دارالسلطنت احمدنگر تھا۔ چاند بی بی اسی ملک کے شاہی خاندان کی ایک دلاور عورت تھی۔

سوم سلطنت قطب شاہیہ اسکا بانی ایک شخص قطب الملک نامی گذرا ہے۔ اسکا آغاز سنہ ۱۵۱۲ء میں ہوا۔ اور گولکنڈہ اسکا پایہ تخت تھا۔ یہ سلطنت موجودہ حیدرآباد کے علاقہ کے قریب قریب تھی۔

چہارم سلطنت عماد شاہیہ واقع ملک برار جسکا دارالحکومت ایلچ پور تھا۔ اسکو

[1] دیکھو اردو تاریخ ہند (مترجمہ ج) تاریخ اکبری مولفہ فریڈرک آگسٹس۔

بادشاہ احمد نگر نے ۱۵۷۴ء میں فتح کرکے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

پنجم سلطنت برید شاہیہ جو بیدر میں تھی۔

انکے علاوہ دکن میں ایک اور ہندو ریاست بیجےنگر تھی۔ اسکا علاقہ وہ تھا جو اب مدراس احاطہ کہلاتا ہے۔ انجام کار یہاں کے راجہ کو جسکا نام رام راجہ تھا۔ بیجاپور اور احمد نگر اور گولکنڈہ اور بیدر کے مسلمان بادشاہوں نے ایکا کرکے تلی کوٹ پر جو دریائے کرشنا پر واقع ہے۔ ۱۵۶۵ء میں شکست دی۔ اور اسکا علاقہ تقسیم کر لیا۔

احمد نگر کے شمال اور سرحد گجرات کے قریب خاندیس کا علاقہ تھا۔ ۱۳۷۰ء میں یہ ریاست بھی سلطنت دہلی سے علیحدہ ہوگئی۔ اس پر عربی النسل کا فاروقی خاندان حکمران رہا۔ ۱۵۷۶ء میں اس خاندان کے بادشاہ میراں محمد فاروقی کی وفات پر اسکے بھائی راجہ علی نے اپنے معصوم بھتیجے کو معزول کرکے زمام ریاست کو خود سنبھال لیا۔ راجہ علی کو اکبر کے دربار میں بھی باریابی مل چکی تھی۔ اس نے جب ریاست کی حالت ابتر دیکھی اکبر کی اطاعت قبول کی۔ راجہ علی زمانہ شناس۔ عاقبت اندیش۔ علم دوست۔ اور جہاندیدہ شخص تھا۔ اس نے ایک طرف اکبر کے تفوق کو تسلیم کیا لیکن دوسری طرف شاہان دکن کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھے۔ لیکن زمانہ کی نیرنگی سے اس کی اور اکبر کی لڑائی ہوگئی۔ جس کی کیفیت یہ ہے کہ ۱۵۸۳ء میں صلابت خاں مرتضیٰ نظام شاہ فاترالعقل والئے احمد نگر کا قائمقام تھا اسکے ظلم و ستم اور ہتھکنڈوں سے لوگ بالعموم اور امیران برار بالخصوص بیزار ہوگئے ان میں سے بعض مثلاً میر مرتضیٰ خاں خراسانی اور خداوند خاں دکنی (جو فارسی نژاد شیعہ تھا) ہتھیار لیکر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ۱۵۸۴ء میں ایکا کرکے احمد نگر پر فوج کشی کی۔ صلابت خاں انپر یکایک آپڑا اور شکست فاش دی۔ دونوں امیر اکبر کے دربار میں پناہ گزیں ہوئے۔ اکبر نے انکو منصب یک ہزاری عطا فرمایا۔ اب معاملات دکن میں دخل دینے کا وقت تھا۔ چنانچہ ۱۵۸۵ء میں اکبر نے مرزا عزیز کوکہ (الملقب بہ خان اعظم) کو برار فتح کرنیکا حکم دیا۔ شہاب الدین خاں میر فتح اللہ شیرازی بھی اس مہم میں عزیز کے ہمراہ تھے۔ عزیز اور شہاب کے جھگڑوں سے برار کا معاملہ بہت طول کھینچ گیا۔ آخر عزیز نے اس علاقہ پر چڑھائی کی اور

اُسکے دارالحکومت ایلچ پور کو لوٹ لیا۔ لیکن پھر دکنیوں نے ایسا دبایا کہ عزیز کو ندربار
(جو ایلچ پور سے ۲۰۰ میل ہے) ہٹ آنا پڑا۔ اس مقام سے منعم خاں خانخاناں نے
نظام الدین احمد مورخ کے زیر کمان کمک بھیجی۔ لیکن راجہ علی کے خلاف مزید کارروائی
ملتوی کر دی گئی۔ اور تین چار سال گذرنے کے بعد راجہ علی اور دربار شاہی کے تعلقات
بدستور سابق قائم ہو گئے۔ کیونکہ شہنشاہ نظام شاہی خاندان کی مشکلات میں دخل
اندازی کرنے میں راجہ علی کو اپنا معاون بنانا چاہتا تھا۔

اکبر کے عہد میں سلطنت احمد نگر کا اصلی حقدار مرتضی شاہ تھا جس نے برہان
نظام شاہ اپنے بھائی کو قلعہ لوہ گڑھ میں قید کر دیا تھا۔ دربار احمد نگر کے بعض امرا
نے برہان کو اس وجہ سے ہا کر دیا کہ مرتضے شاہ فاتر العقل ہے۔ برہان نے دو مرتبہ
سلطنت حاصل کرنیکی کوشش کی۔ مگر دونوں دفعہ ناکامی ہوئی۔ آخر وہ اکبر کے
دربار میں چلا گیا۔ اکبر اس کے ساتھ بہت مہربانی سے پیش آیا۔ اور بنگاش کی جاگیر
مرحمت کی ابراہیم اور اسماعیل اسکے دو بیٹے لوہ گڑھ کے زنداں میں نظر بند رہے۔

۱۵۸۸ء میں مرتضے اپنے بیٹے میراں حسین کے ہاتھوں قتل ہوا لیکن اسکو مرزا خان
ایک امیر نے ایک سال کے اندر معزول کر کے برہان کے بیٹے اسماعیل کو تخت نشین
کیا۔ اس زمانہ میں احمد نگر میں بہت سے امیر تھے۔ اور اسماعیل کی حمایت میں
زیادہ تر سرگرم وہی تھے۔ جمال خاں دکنیوں کا جانی دشمن تھا۔ اس نے تمام اجنبیوں
کو تہ تیغ یا جلا وطن کر دیا۔ اور اسماعیل کو کٹھ پتلی بنا کر خود کاروبار سلطنت پر متصرف
ہو گیا۔ یہ زبردست امیر سید محمد مہدی کا پیرو تھا۔ اور اسکی ترغیب سے اسماعیل نے
اپنے اکثر امرا و ارکین اس فرقہ سے لئے تھے۔ اکثر جلاوطن امیر از انجملہ محمد قاسم فرشتہ
دکن کا مشہور آفاق مورخ دربار بیجاپور میں پناہ گزیں ہوئے جمال کی تعدی اور
شدت سے امیران برار بیزار ہو کر آمادہ بغاوت ہو گئے۔ انھوں نے صلابت خان
کو جو سرحد برار کے ایک زندوں میں مقید تھا رہا کر کے جمال خاں کو احمد نگر سے
نکالنے کا عزم بالجزم کر لیا۔ جمال خاں نے صلابت کو بمقام پٹن واقع گوداوری
پر شکست فاش دی۔ اور پھر بیجاپور پر چڑھائی کی۔ بنا برہ وہ زیادہ اس شرط
پر صلح ہو گئی کہ بیجاپور کو قریباً ۹ ہزار روپیہ بطور تاوان جنگ ملے۔ اور

چاند بی بی حسین نظام شاہ بیوہ علی عادل شاہ حوالے لیجائے۔ صلابت خاں اپنے زادہ بوم تلی کا گاؤں میں ایک سال بعد رحلت کر گیا۔ جمال خاں نے احمدنگر میں اپنی طاقت کو مضبوط کیا۔

اس مختصر سی تمہید سے ناظرین با تمکین پر واضح ہوگیا ہوگا کہ جب اکبر نے معاملات دکن میں دخل اندازی کا خیال کیا۔ اسوقت اسکے کاروبار کمال ابتر اور سخت ناگفتہ بہ حالت میں تھے۔ اب مداخلت کا خوب موقع تھا۔ چنانچہ اکبر نے اس مدعا کے پورا کرنے کے خیال سے برہان شاہ کو تخت احمدنگر پر بٹھانا چاہا۔ بنابریں اُن کو بنگاش کی جاگیر سے طلب کیا۔ اور فرمایا کہ ہماری سپاہ اور ساز و سامان لیکر اسمٰعیل (اپنے بیٹے کو) معزول کرکے احمدنگر پر قبضہ کرلو۔ اس نے بادشاہ کی عنایت کا بہت شکریہ ادا کیا۔ اور کہا۔ کہ مغل سپاہ کو دیکھکر دکنی ہراساں ہوجائینگے۔ لیکن اگر مجھکو یہ اجازت دیں کہ سرحد دکن پر اپنے پیروؤں کو جمع کردوں تو میں احمدنگر کے لوگوں کو صلح سے اپنا طرفدار بنا لونگا۔ اکبر بھی اس نکتہ کو سمجھ گیا۔ اور مندیہ جاگیر دیکر احمدنگر کی جانب روانہ کیا۔ بادشاہ نے راجہ علی کو بھی لکھا کہ برہان الملک کی امداد کرو۔ برہان الملک نے بہت سی سپاہ جمع کر لی۔ لیکن شکست کھائی بعد ازاں خاندیس بیجاپور اور احمدنگر سے امداد لیکر پھر بڑھا۔ جمال خاں کی سپاہ میں دس ہزار مہدوی بھی شامل تھے۔ اس نے ان میں سے ایک دستہ راجہ علی اور برہان الملک کے مقابلہ پر سرحد احمدنگر کی طرف بھیجا۔ اور خود بیجاپوریوں کے مقابلہ پر بڑھا۔ موضع درسن پر اسکو کامل فتح حاصل ہوئی۔ اور دشمن کے تین سو ہاتھی گرفتار کر لئے۔ ادھر برار کی سپاہ برہان الملک سے مل گئی۔ وہ اسکے مقابلہ پر بڑھا۔ لیکن بیجاپوری بھی پیچھے پیچھے چلے آتے تھے۔ جمال خاں کی بہت سی سپاہ اسکو چھوڑ کر چلی گئی۔ لیکن اسکو مہدوی سپاہیوں پر بھروسہ تھا۔ دشمن کی سپاہ روہنکھیرہ گھاٹ پر پڑی تھی۔ اس مقام پر پہنچا تو اسکی سپاہ تھکاوٹ اور پیاس سے بدحال ہورہی تھی۔ پانی پیتے ہی ہلا بول دیا۔ جمال خاں کی بہادری اور شجاعت سے فتح حاصل ہوا چاہتی تھی۔ کہ تقدیر سے اسکو ایک گولہ آن لگا۔ اور اسکے مرتے ہی تمام سپاہ بھاگ نکلی۔ اسمٰعیل شاہ کو اس کے

باپ نے گرفتار کر کے قید کر لیا۔ برہان نے تقاضائے عمر کے برخلاف عیش و عشرت اور رنگ رلیاں شروع کیں۔ اور طرہ یہ کہ تمام مہدویوں کو ملک سے خارج کر دیا۔ اور شیعہ فرقہ کو نہایت شدت سے فروغ دینے لگا۔ غرض اس نے ملک میں کسی امیر کو اپنا طرفدار اور معاون نہ بنایا۔ اکبر جیسا زمانہ شناس اور مدبر بادشاہ تمام باتیں سنتا تھا۔ اور اس نے نتیجہ نکال لیا تھا کہ برہان کو چند روز بعد ملک برار حوالے کر کے میرا باجگذار اور حلقہ بگوش ہونا پڑیگا۔ ابوالفضل کا قول ہے کہ برہان الملک سلطنت کے انتظام کو بخوبی نہ نباہ سکا۔ اور بدیں وجہ اکبر چاہتا تھا کہ اس کے ملک میں عمدہ انتظام قائم کرے۔ لیکن یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اکبر کا حلقہ بگوش ہونا تو درکنار اس کے تفوق کو بھی تسلیم نہ کیا۔ اور تکبر و غرور میں مست رہا۔

اس مضمون کے متعلق مولانا آزاد دربار اکبری میں تحریر فرماتے ہیں " اکبر کو آرزو تھی کہ کل ہندوستان میرے زیر قلم ہو۔ اور سلاطین دکن ہمیشہ آزاد رہنا چاہتے تھے اور اکثر آزاد رہتے تھے چغطائیہ کے اندر حکومت بھی کچھ اور تھے۔ اہل دکن کو پسند نہ تھے۔ اور وہ اس طرح کی اطاعت کو بڑی بے عزتی سمجھتے تھے۔ کہ سکہ۔ خطبہ۔ بحالی برطرفی۔ تبدیلی عطیہ۔ ضبطی وغیرہ میں کسی کے حکم کے تابع ہوں۔ ان کی صورت حال ایسی تھی کہ ان باتوں کو اکبر کھلم کھلا کہہ بھی نہ سکتا تھا۔ چنانچہ کبھی نامہ و پیام بھیجتا تھا کبھی انہیں آپس میں لڑوا دیتا تھا۔ کبھی حدود دکن پر کسی امیر کو بھیجکر خود ہی لڑائی ڈال دیتا تھا۔ انہیں میں برہان الملک فرمانروائے احمد نگر تھا۔ کہ اپنے ملک سے تباہ دربار اکبری میں حاضر ہوا چند روز یہاں رہا۔ انہوں نے روپے اور سامان سے مدد کی۔ اور راجی[1] علی خاں حاکم خاندیس کو بھی سفارشی فرمان لکھا۔ چنانچہ اس کی یاوری سے اپنے ملک پر قابض ہوا مگر جب حکومت حاصل ہوگئی۔ تو جو انہیں امیدیں تھیں وہ پوری نہ ہوئیں۔ اب ارادہ ہوا کہ فوج کشی کریں۔ لیکن یہ بھی انکا آئین تھا کہ جہانتک ہو سکتا تھا۔ دوستی اور محبت کے نام سے کام نکالتے تھے۔ چونکہ وہاں کے حاکم شاہانہ زور رکھتے تھے اور خطبہ سکہ بھی اپنے نام کا رکھتے تھے۔ اس لئے ۹۹۹ھ / ۱۵۹۱ء میں ایک ایک امیر دانا کو

[1] انگریزی تاریخ میں راجہ علی خاں لکھا ہے۔ وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ راجہ یا راجی ہے (مؤلف)

ہر ایک کے پاس بھیجا۔ راجی علی خاں حاکم خاندیس کی سفارت شیخ (فیضی) کے سپرد ہوئی۔ برہان الملک کی فہائش امین الدین کے نام ہوئی۔ شیخ ابوالفضل کی تجویز سے یہ قرار پایا کہ راجی علی خاں کے کام سے فارغ ہو کر شیخ فیضی اور امین الدین برہان الملک کے پاس جائیں۔ اور حقیقت میں راجی علی خاں ملک دکن کی کنجی تھا۔

اسکے بعد آزاد صاحب لکھتے ہیں کہ فیضی ایک برس ۸ مہینے ۱۴ دن میں دونو سفارتوں کا سرانجام کر کے سنہ ۱۰۰۱ھ میں حضور میں حاضر ہوئے۔ تعجب یہ ہے کہ برہان الملک پر انکا جادو نہ چلا۔ بلکہ جو پیشکش بھیجے وہ بھی مناسب حال نہ تھے۔ راجی علی خاں تجربہ کار بڈھے تھے۔ انہوں نے اعلےٰ درجہ کے تحائف و نفائس عریضہ کے ساتھ بھیجے۔ یہاں تک کہ شاہانہ چیزوں کے ساتھ بیٹی بھی سلیم کے لئے بھیجدی۔ راجی علی کی بیٹی کی اگست سنہ ۱۵۹۹ئہ میں شہزادہ سلیم سے شادی ہوگئی۔ فیضی نے اپنی سفارت کے متعلق ایک دلچسپ طویل مراسلہ لکھا ہے جسکا انگریزی تاریخ اکبری (مولفہ فریڈرک آگسٹس) اور دربار اکبری میں ترجمہ دیا گیا ہے۔ لیکن ہم اسکو طوالت کے خوف سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راجی موصوف نے اکبر کے خطوط وغیرہ دیکھکر پچیس سلام (کورنش) کئے اور اس نے ملاقات کے خیمہ میں داخل ہونے پر کہا تھا اگر آپ (فیضی) حکم دیں تو میں حضور ظل سبحانی کی تعظیم کے لئے ایک ہزار سلام کرنے کو تیار ہوں۔ اس زمانہ کے اس قسم کے آداب و تکلفات سے یورپین تہذیب کے شیدائیوں کو تعجب ہوتا ہوگا۔ لیکن زمانہ کی روش بدلتی رہتی ہے۔ جو اسوقت تھا وہ مناسب حال تھا اب زمانہ کے انقلاب سے موجودہ طرز سلام مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ اکبر معاملات دکن میں مداخلت کا کوئی نہ کوئی موقع چاہتا تھا۔ لیکن برہان الملک کی بدنصیبی دیکھو کہ اس نے نہ تو اکبر کی اطاعت قبول کی۔ اور نہ اپنے ہمعصر شاہان دکن سے رابطہ اتحاد پیدا کیا۔ اگر وہ اور دکن کے دیگر حکمران اتحاد کرتے تو ممکن تھا کہ دکن کی آزادی پامال نہ ہوتی لیکن پھوٹ کا ستیاناس ہو۔ اس نے دکن کی آزادی کو ملیامیٹ کر دیا۔ ابراہیم عادل شاہ والئے بیجاپور نے اپنے وزیر دلاور خاں کو جلاوطن کر دیا۔ اور برہان الملک نے اس کو

کھلے دل سے اپنے ہاں پناہ دی۔ ابراہیم خاں نے کہلا بھیجا کہ اس سرکش کو معہ دو سو ہاتھیوں کے جو جمال خاں نے بمقام درسن گرفتار کئے تھے۔ میرے حوالے کردو۔ برہان الملک کی عقل پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ باوجودیکہ وہ اکبر کے ارادے کو جانتا تھا۔ اس نے ان شرائط کو جو ظفر برحالات نامعقول نہ تھیں۔ منظور نہ کیا۔ برخلاف اسکے دلاور خاں کے بہکانے سے برہان الملک نے بیجاپور سے لڑائی شروع کردی ۱۵۹۲ء میں برہان الملک بیجاپور کے علاقے میں داخل ہوا۔ عادل شاہ نے بالکل مزاحمت نہ کی۔ آخر وہ دریائے بھیم کے کنارہ پر جا پہنچا۔ اور ایک مسمار قلعہ کو مرمت کرکے جمگیا۔ عادل شاہ نے کہا وہ (برہان) تھوڑے دنوں میں بچوں کی طرح کریگا۔ جو مٹی کی دیواریں خود ہی بناتے ہیں۔ اور پھر اپنے ہی ہاتھوں سے گرا دیتے ہیں"۔ ابراہیم نے دلاور خاں کو وعدے دلاکر بلا لیا۔ جب وہ اس کے بالکل بس میں آگیا اس کی آنکھیں نکلوا ڈالیں۔ اور جب اس مہیب دشمن کی طرف سے اطمینان ہوگیا۔ ابراہیم نے جنگ کی تیاری کی۔ اور برہان الملک کو شکست فاش ہوئی۔ اسکو مذکورہ بالا قلعہ گروانا پڑا۔ بلکہ اسکا پہلا پتھر خود اپنے ہاتھ سے گرایا۔ اور اس طرح ابراہیم کی پیشنگوئی پوری ہوگئی۔ ادھر سے شکست کھاکر برہان الملک نے ساحل بحر کے پرتگیزوں پر حملہ کیا۔ پہلے تو اُن سے بھی منہ کی کھائی بعد میں ایک فتح بھی پائی۔ لیکن اسکے دربار کے امیر اس سے بہت ناراض تھے۔ اور پرتگیزوں کے مقابلہ میں کامیابی نہ ہونے کا ایک باعث یہ بھی تھا۔

اب ہم اکبر کی تجاویز دوبارہ مہم دکن کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مالوہ اور گجرات دکن کی لڑائی کے لئے فوجی وجنگی صدر مقام تھے۔ سامان حرب ضرب اور سپاہ ان صوبوں میں فراہم کی گئی تھی۔ گجرات کا صوبہ دار پہلے عزیز کوکہ تھا لیکن وہ کسی وجہ پر بادشاہ سے ناراض ہوکر حج بیت اللہ کو چلا گیا۔ اور ۱۲ اپریل ۱۵۹۳ء کو یہ صوبہ مراد کے زیر حکومت نامزد کیا گیا۔ ۱۴ ستمبر سنہ مذکور میں مرزا شاہرخ گورنر مالوہ تعینات ہوا شیخ فیضی کے دربار میں واپس آنے سے بادشاہ پر واضح ہوگیا تھا کہ شاہان دکن اطاعت قبول نہیں کرنا چاہتے۔ احمد نگر کا فرمانروا

برہان الملک (برہان نظام شاہ) ابراہیم عادل شاہ سے شکست کھا کر بہت سٹ پٹا گیا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ جس طرح بن پڑے انتقام لے۔ اس نے ابراہیم کے ایک بھائی اسماعیل سے جو قلعہ بلگام پر قابض ہو گیا تھا۔ ساز باز کی۔ اور بیجاپور پر چڑھائی کرنے کے لئے مستعدی سے تیاریاں ہونے لگیں۔ ابراہیم عادل شاہ اپنے بھائی سے لڑنا نہ چاہتا تھا۔ اس نے قلعہ مذکور میں اسماعیل کے پاس اپنے ایک ایلچی شاہ نور عالم کی زبانی کہلا بھیجا کہ اگر اپنی دست درازیوں سے باز آجاؤ گے تو تمہارا قصور معاف کر دیا جائیگا۔ لیکن وہ خودسری کے خیال سے بدمست ہو رہا تھا۔ اس نے ایلچی کو قید کر دیا۔ اور جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ ابراہیم بہت غضبناک ہوا۔ اور الیاس خاں اپنے ایک معتمد سپہ سالار کو قلعہ بلگام کے محاصرہ پر مامور کیا۔ اور عین الملک امیر الامرا کو اسکی کمک کیلئے بھیجا۔ مگر وہ اسماعیل سے ملا ہوا تھا۔ ابراہیم کو بھی اس امر کی اطلاع پہنچی۔ عین الملک ایک مرتبہ تو بچ نکلا۔ لیکن دوسری مرتبہ حمید خاں خواجہ سرا نے عین الملک اور اسماعیل دونوں کو گرفتار کروا دیا۔ اور سرکشی اور بغاوت کے جرم میں دونو کے سر قلم کئے گئے۔ ادھر برہان الملک نے اپنے ایک سپہ سالار مرتاض خان کو بیجاپور کے مقابلہ پر بھیجا۔ وہ شکست کھا کر مقتول ہوا۔ پیرانہ سال برہان الملک نے دیکھا کہ اب موت قریب ہے۔ اس نے اپنے دوسرے بیٹے ابراہیم کو احمد نگر کی گدی پر بٹھایا۔ اس کے بڑے بیٹے اسماعیل کا ایک حمایتی اخلاص خاں بہت سی فوج لیکر احمد نگر کی طرف بڑھا۔ برہان الملک باوجود علالت کے پالکی میں سوار ہو کر اسکے مقابلہ کو نکلا۔ اور ہمایوں پور پر باغی سپاہ کو شکست فاش دی۔ لیکن ۱۸- اپریل ۱۵۹۵ء کو روانہ ملک عدم ہوا۔

برہان الملک کی وفات پر احمد نگر میں دو مخالف پارٹیاں پیدا ہو گئیں اخلاص خاں اسماعیل کا طرفدار تھا۔ اور میاں منجو ابراہیم کی حمایت میں سرگرم تھا۔ ان دونوں جماعتوں کی کشمکش نے ملک میں سخت ابتری پھیل گئی لیکن پھر بھی دونوں مخالف فریق بیجاپور کے دشمن تھے۔ ابراہیم عادل شاہ نے دوبارا احمد نگر میں برہان الملک کی وفات پر اظہار ہمدردی کرنے کے خیال

سے اپنا ایلچی بھیجا۔ دونوں فریق اس سے بہت بدتہذیبی سے پیش آئے۔ ابراہیم عادل شاہ بہت سٹ پٹایا۔ لیکن احمد نگر کے معاملات کی سخت نازک حالت دیکھکر دشمنوں کی گوشمالی کرنے سے باز رہا۔ میاں منجو نے ارکین احمد نگر کو صلاح دی کہ بیجاپور اور اخلاص خاں سے صلح کیجائے۔ لیکن جب بنصیبت کا وقت آتا ہے۔ نیک صلاح کا اُلٹا اثر پڑتا ہے اخلاص خاں بیجاپور سے لڑنے پر آمادہ تھا۔ اور ابراہیم نظام شاہ اور تیس ہزار سپاہ لیکر سرحد بیجاپور کی طرف بڑھا۔ نیک نیت عادل شاہ نے اپنے سپہ سالار حمید خاں کو تاکید کر دی کہ جبتک نظام شاہی لشکر سرحد عبور نہ کر آئے۔ مقابلہ نہ کرنا۔

بیجاپور کی سپاہ کے میسرہ (بایاں بازو) کو شکست ہوئی۔ لیکن میمنہ اور قلب جس میں سہیل خاں اور حمید تھے۔ دشمن کے مقابلہ پر ڈٹے رہے۔ اُنھوں نے نظام شاہی فوج کے قلب پر اس زور شور سے حملہ کیا کہ دشمن دُم دبا کر بھاگ نکلے۔ ابراہیم نظام شاہ تیر سے مجروح ہو کر کھیت رہا۔ میدان خلاف توقع بیجاپوریوں کے ہاتھ رہا۔ اور بیشمار ساز و سامان توپیں اور ہاتھی لوٹتے دشمنوں کو کاٹتے مظفر و کامیاب لوٹے۔ والئے بیجاپور نے احمد نگر کی افسوسناک حالت کے خیال سے مزید پیشقدمی سے ہاتھ اُٹھایا۔

احمد نگر میں پھر خانہ جنگی شروع ہوئی۔ اخلاص خاں اور حبشی امرا مرحوم بادشاہ کے بیٹے بہادر کو تخت نشین کرنا چاہتے تھے۔ میاں منجو ایک ایک اور شخص احمد شاہ نامی کا حامی تھا۔ اور کہتا تھا کہ یہ احمد نگر کے شاہی خاندان کی اولاد میں سے ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ امر بالکل غلط ہے اخلاص خاں اور اسکے طرفدار یہ خبر سنکر بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے کذاب کی معزولی اور برطرفی کا مطالبہ کیا۔ میاں منجو احمد شاہ کو لیکر احمد نگر سے نکل گیا۔ اور اپنے بیٹے میاں حسین کو، سو سپاہیوں کے ہمراہ اخلاص خاں اور اسکے معاونوں کو منتشر کرنے کے لئے بھیجا۔ اخلاص خاں نے فی الفور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور گورنر دولت آباد کے نام حکم بھیجا کہ اہنگ حبشی اور ایک اور امیر حبشی خاں کو جو سابق بادشاہ کے زمانہ سے قید تھے۔ رہا کر دو۔ اخلاص خاں چاہتا تھا

کہ بہادر شاہ کو تخت نشین کرے۔ مگر جب وہ ہاتھ نہ آیا۔ بہادر کی عمر کا ایک لڑکا بازار سے پکڑ کر تخت پر بٹھا دیا۔ اور اعلان کیا کہ وہ مرحوم ابراہیم نظام شاہ کا بیٹا اور جائز وارث ہے۔ اخلاص خاں کے زیر علم دس بارہ ہزار سپاہی جمع ہو گئے۔ اس موقع پر جب میاں منجو نے اپنی بات بنتی نہ دیکھی شہزادہ مراد سے جو اسوقت گجرات میں تھا مدد مانگی۔

اکبر عرصہ سے شہزادہ مراد۔ عبدالرحیم خانخانان۔ شاہرخ مرزا حاکم مالوہ اور راجی علی خاں حاکم خاندیس کو مہم دکن پر مامور کر چکا تھا۔ لیکن وہ چاہتا تھا کہ جب کوئی عمدہ سا موقع ہاتھ آئے۔ دکن کے معاملات میں دخل دیا جائے۔ اب احمدنگر کی ایک جماعت نے شہزادہ مراد کو خود بلایا۔ اس سے بہتر موقع کیا ہو سکتا تھا۔ میاں منجو جو پہلے اخلاص خاں اور بیجاپور کے ساتھ صلح کرنا چاہتے تھے۔ اب خود غرضی سے مغلوں کو بلانے پر مجبور ہوئے۔ مغل بھی جھٹ احمد آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ انگریز مورخ فریڈرک اگسٹس کا قول ہے " اکبر عقاب کی طرح شمالی افق پر منڈلا رہا تھا۔ اور جنوبی ریاستوں کے لڑنے والے مرغوں (سپہ سالاروں) کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ کہ کب ایک دوسرے کو لہو لہان کر کے تھک جائیں اور خود مناسب وقت تاڑ کر دونوں کو شکار کرے"

میاں منجو کا مراسلہ مراد کے پاس نہ پہنچا تھا کہ احمد نگر کے معاملات کی بالکل کایا پلٹ ہو گئی۔ حبشی سردار عہدوں اور منصبوں وغیرہ پر لڑنے مرنے لگے۔ اخلاص خاں کی سپاہ میں پھوٹ پڑ گئی اور اسکے بہت سے طرفدار میاں منجو سے جا ملے۔ اس نے ۲۲ ستمبر ۱۵۹۵ء کو احمد نگر کی عیدگاہ پر اخلاص خاں کے چھکے چھڑا دئے۔ اور مصنوعی بہادر شاہ کو گرفتار کر لیا۔ مگر میاں منجو کو چند روزہ کامیابی حاصل ہوئی۔ کیونکہ مذکورہ بالا مغل سردار تیس ہزار لشکر جرار لیکر احمد نگر کے سامنے ڈٹ گئے۔ میاں منجو دشمنوں کو ملک میں بلانے پر بہت نادم ہوا۔ اور قلعہ کی حفاظت کے لئے تیار ہو گیا۔ اس میں رسد وغیرہ جمع کر کے قلعہ کو غضنفر خاں اور چاند بی بی کے حوالے کیا اور خود نوجوان بادشاہ احمد کو ساتھ لیکر عادل شاہ اور قطب شاہ فرمانروایان دکن سے امداد لینے چلا کیونکہ شاہان دکن کی یہ پالیسی تھی کہ

آپس میں خواہ کتنا ہی لڑیں۔ اجنبی دشمن کے مقابلہ میں متحد ہو جایا کرتے تھے۔

چاند بی بی اس اثناء میں نابالغ بہادر شاہ کی سرپرست مشہور ہو چکی تھی۔ اور وہ نہ چاہتی تھی کہ ملک دشمنوں کے حوالے کر دیا جائے۔ بلکہ اس بہادر عورت نے آخری دم تک لڑنیکا ارادہ کر لیا۔ اس مدعا سے اس نے غضنفر خاں کو قتل کروا دیا۔ اور بہادر کو بادشاہ مشتہر کیا۔ اور محمد خاں۔ اور حبشی اور دیگر امرا کو اپنا حامی و معاون بنا کر سلطنت کے کاروبار سنبھال لئے۔ لیکن اس اثناء میں (۱۶ دسمبر ۱۵۹۵ء) مراد ہشت بہشت باغ میں جو احمد نگر کے گرد اگرد ہے۔ ڈیرے ڈال چکا تھا۔ اسنے موضع برہان آباد کے باشندوں کی حفاظت کے لئے مغلوں کی گارڈ بھیجی اور تاکید کر دی کہ دکنیوں کے ساتھ عمدہ سلوک کیا جائے۔ کچھ وقت تک اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور دکنیوں کو مغلوں پر پورا پورا بھروسہ ہو گیا۔ لیکن پھر ایک شاہی سپہ سالار شہباز خاں نے ۲۰ دسمبر کو مراد کی ممانعت کے باوجود موضع برہان آباد اور احمد نگر کو لوٹ لیا۔ مراد نے بہت سے مجرموں کو پھانسی دی۔ لیکن دکنی سخت ناراض ہو گئے۔ اسوقت احمد نگر کے قلعہ کی پارٹی کے علاوہ اس ملک کی تین اور پارٹیاں تھیں۔ میاں منجو اور احمد شاہ جو سرحد بیجاپور پر تھے۔ اباہنگ خاں حبشی جو بیجاپور میں شاہ علی خاندان احمد نگر کے ایک رکن کو شاہ احمد نگر بنانے کی ترغیب دے رہا تھا۔ اخلاص خاں جو ایک اور لڑکے کے ساتھ دولت آباد کے قریب تھا۔ اخلاص خاں احمد نگر کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک شاہی سردار دولت خاں لودھی نے اسکو شکست فاش دی اور پٹن واقع گوداوری کو لوٹ کر باشندوں کو بالکل مفلس کر دیا۔

ابھی احمد نگر کا بخوبی محاصرہ نہ کیا گیا تھا۔ چاند بی بی نے اخلاص خاں کی شکست کا حال سنکر دھڑا بندی کو ملیامیٹ کرنیکی کوشش کی۔ بنابریں اباہنگ خاں کو کہلا بھیجا کہ شاہ علی کو چھوڑ بہادر کی حمایت کرو۔ اباہنگ خاں احمد نگر کی کمک کے لئے روانہ ہوا اور خان خاناں کے زیر کمان گشت کی فوج کے بہت سے مغلوں کو مارتا ہوا قلعہ کی اس جانب سے جہاں محاصرین کی سپاہ متعین نہ تھی اندر چلا گیا۔ شاہ علی بھی احمد نگر کی طرف بڑھا۔ لیکن اسکے ... سپاہی دولت خاں لودھی کے ہاتھوں کھیت رہے۔ اب احمد نگر کی حالت بہت نازک ہو گئی۔ آخر دربار بیجاپور کو بھی یہ نکتہ سمجھ میں آگیا

کہ اگر احمد نگر بچ گیا۔ تو دکن کی تمام سلطنتیں بچ جائینگی۔ ورنہ اکبر کے بہترین سپہ سالاروں اور خاندیس کے حاکم کی زبردست سپاہ کے ہاتھوں سب تباہ ہوجائینگے۔

مغلوں نے محاصرہ کی سرتوڑ تیاریاں شروع کیں۔ کیونکہ ابراہیم والئے بیجاپور نے ۲۵ ہزار اور والئے حیدرآباد نے ۶ ہزار سوار بطور کمک روانہ کئے۔ میاں منجو اور اخلاص خاں سہیل خاں کے ساتھ شریک ہو گئے۔ اور طرہ یہ کہ مراد جلد باز تھا قلعہ کی ایک جانب میں برجوں کے نیچے پانچ سرنگیں کھود کر بارود سے بھری گئیں اور فتیلے دیکر اُنکے مُنہ بند کر دیئے گئے۔ چاند بی بی نہایت جوانمردی اور شجاعت سے دشمنوں کی روک تھام کر رہی تھی۔ دھاوا کے زور سے پیشتر مغلوں کی سپاہ میں سے ایک شخص محض اس دلاور عورت کی شجاعت کو دیکھ کر رات کے وقت قلعہ کی فصیل کے پاس پہنچا۔ اور قلعہ والوں کو سرنگوں وغیرہ کی حالت سے مطلع کیا۔ قلعہ کی فوج نے چاند بی بی کی سرپرستی میں اس خبر سے بخوبی فائدہ اُٹھایا۔ اور صبح تک دو سرنگوں کا بارود نکال لیا۔ اور اور سرنگوں کی تلاش میں مصروف ہوئی جب قلعہ والے سرنگوں سے بارود نکال رہے تھے۔ محاصرین نے سب سے بڑی یعنے تیسری سرنگ اُڑائی محصورین میں سے اکثر مارے گئے۔ اور فصیل قلعہ میں ایک بڑا سا رخنہ (تین گز چوڑا) ہو گیا۔ بعض امرائے نامدار فرار ہونا چاہتے تھے۔ مگر چاند بی بی زرہ پہن چہرے پر نقاب ڈال فصیل کے شگاف کی حفاظت پر مستعد ہوگئی۔ اس کے سمجھانے سے مفرورین اسکے زیر سایہ جمع ہوگئے۔ اور ہاتھوں ہاتھ کام کرنے لگے۔ محاصرین باقی سرنگوں کو آگ دکھانے میں مشغول تھے۔ اور محصورین نے قابل تعریف پھرتی سے شگاف کے سامنے خندق میں ہوائیاں۔ بارود۔ اور دیگر اشتعال پذیر مادے بھر دیئے اور رخنے پر توپیں جما دیں۔ مغلیہ فوج کے پرے بار بار حملہ کرتے تھے لیکن بہادر چاند بی بی کے دلیر سپاہی انکے منہ پھیر دیتے تھے۔ شگاف سے ہوائیاں توپوں سے گولے۔ پتھر اور تیر برستے تھے۔

شام کے چار بجے سے غروب آفتاب تک حملہ آوروں کے غول در غول زک کھاتے رہے۔ چاند بی بی سفید زرہ پہنے شگاف کی حفاظت پر دن بھر کھڑی رہی۔ اسکی شجاعت سے دشمن دنگ رہگئے۔ انگریزوں کی فوج جب اورلین کے

محاصرہ سے ایک بہادر فرانسیسی عورت سے شکست کھا کر بھاگی تھی۔ تو اسکو بے نقط گالیاں دیتی تھی۔ لیکن مغلوں نے باوجود شکست کھانے کے چاند بی بی کی بہادری کی تعریف کی۔ اور اسکو سلطانہ کے معزز لقب سے یاد کرتے تھے۔ رات ہوئی تو اس بہادر سلطانہ نے نیند حرام کر دی۔ اور راتوں رات شگاف بھر کر آٹھ فٹ دیوار بنا دی۔ دوسرے روز بمقام بیز بیجاپور وغیرہ کے سپہ سالاروں کو لکھا کہ جلد مدد پر آؤ۔ شہزادہ مراد نے احمد نگر کے محاصرہ میں عبدالرحیم خانخانان کا انتظار نہ کیا تھا۔ اور اس کی اتنی شتاب زدگی سے تمام کام بگڑ گیا۔ دکنیوں نے شہباز خاں کی لوٹ کا خوب انتقام لیا۔ یعنے مراد کی رسد چاروں طرف سے بند کر دی۔ مراد کو مجبوراً صلح کی درخواست کرنی پڑی۔ پہلے تو سلطانہ صلح کرنا نہ چاہتی تھی۔ پھر مصلحت کے خیال سے ملک برار شہزادے کے حوالے کر دیا۔ جس نے عہدنامہ کی شرایط کے بموجب احمد نگر کا محاصرہ اُٹھا لیا۔

غرض مراد نامراد احمد نگر چھوڑ برار کی طرف روانہ ہوا۔ مغلوں کی سپاہ کی روانگی سے تین روز بعد شاہان بیجاپور اور حیدرآباد کی کمکیں اور میاں منجو وغیرہ بھی آ پہنچے۔ میاں منجو نے اصرار کیا کہ احمد شاہ کو احمد نگر کا جایز بادشاہ تسلیم کیا جائے۔ لیکن اکثر امرا نے انکار کیا۔ ابا ہنگ حبشی نے قلعہ کے دروازے بند کر دیئے۔ اور نابالغ بہادر کو جواب تک قلعہ چوند میں قید تھا۔ بلا بھیجا۔ عنقریب ملک میں خانہ جنگی شروع ہوا چاہتی تھی۔ چاند بی بی نے والئے بیجاپور سے امداد طلب کی۔ اسکا ایک سپہ سالار ۴ ہزار سپاہ لیکر احمد نگر پہنچا۔ میاں منجو دربار بیجاپور میں چلا گیا۔ عادل شاہ نے اسکے نام ایک جاگیر کر دی۔ اور احمد شاہ کو بہت سی اراضی مل گئی۔ سلطانہ نے بہادر شاہ کو رہا کر کے تخت پر بٹھا دیا۔ اور تھوڑے عرصہ تک ملک میں امن ہو گیا۔ سلطانہ نے محمد خاں کو وزیر معتمد بنایا لیکن اس نے اپنے متعلقوں اور رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدوں پر مامور کر کے اختیارات سلطنت خود غصب کرنے چاہے۔ اس نے ابا ہنگ اور شمشیر حبشی سرداروں کو قید کر لیا۔ باقی بڑے بڑے امرا ہراساں ہو کر ملک چھوڑ گئے چاند بی بی نے اس حالت میں پھر بیجاپور سے بہت سی سپاہ طلب کی۔ محمد خاں

اس سپاہ کا مقابلہ کرنے لگا۔ لیکن چند روز میں بہت سے امرا احمد نگر اسکے مخالف ہوگئے وہ چاہتا تھا کہ میرا کام پیار سے۔ چنانچہ شہزادہ مراد کو جو برار میں تھا لکھ بھیجا۔ کہ آپ لشکر کشی کریں۔ میں احمد نگر پر بادشاہ کے نام سے قبضہ کر لونگا محمد خاں نے دکنیوں کو یہ تجویز سنائی۔ تو سب کے سب اسکے مخالف ہوگئے۔ اور چاند بی بی کو پھر سرپرست بنا دیا۔ محمد خاں گرفتار کیا گیا۔ چاند بی بی نے ابا ہنگ خاں کو رہا کر کے وزیر بنالیا۔ اور سہیل خاں کو بیجاپور میں واپس بھیجدیا۔ جب وہ راج پور میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ مغلوں نے عہدنامہ کی شرائط کے خلاف بعض اراضی پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس نے وہاں قیام کرکے اس امر کی اطلاع بیجاپور۔ احمد نگر اور حیدر آباد میں بھیجدی۔ اس کو حکم ہوا کہ دشمنوں کا مقابلہ کرو۔ حیدر آباد کی کمک پہنچنے پر اسکی سپاہ کی تعداد ساٹھ ہزار تک پہنچ گئی۔ اس نے سونپت واقع دریائے گوداوری پر ڈیرے ڈالدیئے۔

اسوقت شہزادہ مراد شہر شاہ پور میں جو اس نے خود تعمیر کروایا تھا مقیم تھا۔ اور یہاں اس نے راجی علی کے بیٹے بہادر فاروقی کی ہمشیرہ سے شادی کر لی تھی۔ دیگر مغلیہ سردار باستثنا شہباز خاں اپنی اپنی جاگیروں میں تھے۔ اس نے تمام جاگیرداروں کو لڑائی کے لئے طلب کیا۔ خان خاناں کو جب محمد خان نے احمد نگر پر قبضہ کرنیکے لئے بلا بھیجا وہ شہزادہ مراد کی خدمت میں بغرض استصواب حاضر ہوا کہ راجی علی خاں۔ شاہ رخ مرزا اور بڑے بڑے مشہور مغل سردار اس سے آن ملے۔ اور مراد اور اسکے اتالیق صدیق خاں کو شاہ پور میں چھوڑ بیس ہزار لشکر جرار لیکر موضع سوپا واقع بر لب گوداوری کی جانب روانہ ہوئے۔ خانخاناں اس دریا کے ایک پایاب مقام سے گذر کر جنوب کی طرف اشتی پر جم گیا۔ حیدر آباد۔ بیجاپور اور گولکنڈہ کے بادشاہ اپنی اپنی فوجیں لیکر ذیل کی ترتیب سے صف آرا ہوئے۔ نظام الملک قلب میں۔ عادل شاہ دائیں بازو پر۔ اور قطب شاہ بائیں بازو پر۔ اشتی کی لڑائی ۲۷ جنوری ۱۵۹۷ء کی صبح کو شروع ہوئی۔ لیکن دوپہر تک دور سے لڑائی ہوتی رہی۔ اس وقت راجہ علی اور رام چند چوہان نے مغل سپاہ کے بائیں بازو سے عادل شاہی فوج پر حملہ کیا۔ وہ زور شور سے دھاوا کرتے فوج مقدم کو دھکیلتے سہیل کے زیر کمان فوج میں جا پہنچے۔ دشمنوں نے بھی گولوں۔ ہوائیوں اور بندوقوں سے بارش شروع کی۔ راجہ علی کھیت رہا۔

رام چند چوہان کو تیس زخم لگے۔ اور اسکی تین چار ہزار فوج کھیت رہی۔ غرض میدان کے اس حصہ میں جہاں سہیل ڈٹا ہوا تھا۔ مغلوں کو کامل شکست ہوئی دشمن کی فوج شاہی سپاہ کو دباتی شاہپور تک چلی گئی۔ مراد فرار ہوا چاہتا تھا کہ اسکو خبر پہنچی۔ کہ خانخانان اور شاہرخ مرزا قلب اور میمنہ میں دشمن کو ترکی بہ ترکی اور کلہ بہ کلہ جواب دے رہے ہیں انہوں نے نظام الملک اور قطب شاہ کی افواج کو شکست فاش دیکر کچھ فاصلے تک ان کا تعاقب کیا۔

سہیل کا خیال تھا کہ راجی علی مغلوں کے قلب میں ہوگا۔ اور شاہرخ اور عبدالرحیم کو بھی اسکے ساتھ ہی شکست ہوئی ہوگی۔ دکنیوں نے فتح کی خوشی میں لوٹ مار شروع کی۔ اور سہیل کی نصف فوج مال غنیمت لیکر اپنے سپہ سالار کی ممانعت کے باوجود اپنے گھر چلی گئی۔ اِدھر خانخانان تعاقب سے لوٹا۔ اور سہیل کے بالکل قریب پہنچکر معلوم ہوا کہ حریف پاس ہی پڑا ہے۔ دوسرے روز دونوں طرفوں کے سپہ سالاروں نے اپنی بقیتہ السیف افواج جمع کیں۔ اور پھر لڑائی شروع ہوئی سہیل خان نے بڑھ بڑھ کر شجاعت کے جوہر دکھائے۔ آخروہ زخموں اور تھکاوٹ سے چور ہوکر گھوڑے سے گر پڑا۔ وہ اپنی سپاہ کی روح رواں تھا چنانچہ سپاہ اسکی لاش اُٹھا کر میدان جنگ سے بھاگ نکلی۔ مغل سپاہ خود ابتر حالت میں تھی دشمنوں کا تعاقب نہ کر سکی۔ عبدالرحمٰن نے کمال فیاضی سے سپاہ کے بہادروں میں ۷۵ لاکھ روپے بطور انعام تقسیم کئے۔ اور اکبر کو فتح کا مراسلہ لکھ بھیجا۔

اشتی کی فتح کی خبر سنکر اکبر کشمیر میں چلا گیا۔ اور جاڑے کے موسم میں ۱۷ نومبر ۱۵۹۷ئہ کو لاہور میں قیام پذیر ہوا۔ مراد کی خواہش تھی کہ فی الفور احمدنگر پر حملہ کیا جائے۔ لیکن عبدالرحیم خانخانان نے اسکی مخالفت کی۔ اور کہا کہ پہلے ملک برار پر بخوبی تسلط بٹھالینا واجب ہے۔ شہزادہ نے بادشاہ کی خدمت میں شکایت لکھ بھیجی۔ دربار سے حکم ہوا کہ عبدالرحیم خانخاناں واپس چلا آئے۔ بعد ازاں شہزادہ مراد کو بھی بلا بھیجا۔ لیکن شہزادہ مذکور باپ کے منشا کے برخلاف دکن میں رہا۔ آخر شیخ ابوالفضل کو حکم ہوا کہ شہزادہ کو بلا لاؤ۔ اگر مغلیہ امیر ملک برار کا بندوبست خاطر خواہ کر سکیں تو تم بھی واپس چلے آؤ۔ بصورت دیگر مہم دکن کو خود سنبھالو

اس اثناء میں شہزادہ مراد عیاشی اور بالخصوص مئے نوشی میں محو تھا۔ کثرت میخواری کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ اسکا بیٹا رستم رحلت کر گیا تھا۔ اور وہ غم غلط کرنیکے خیال سے دختر رز کے ہم آغوش رہتا تھا۔ ادھر دربار سے شیخ ابو الفضل پہنچے اور ادھر مراد کثرت مے نوشی کی وجہ سے نہنگ اجل کا لقمہ ہوگیا۔ ابو الفضل نے مغلیہ سپاہ کی حالت ناگفتہ بہ پائی ہر شخص فتنہ وفساد پہ مائل اور فوج چھوڑ کر گھر جانا چاہتا تھا دشمنوں نے قلعہ بیر کے مغل سردار پر چیرہ دستی حاصل کی۔ اور سردار مذکور کو قلعہ بند ہونا پڑا۔ ادھر شاہی لشکر نے ۱۵۹۹ء کے شروع میں شہر دولت آباد اور اسکے قلعہ لوہ گڑھ پر قبضہ کر لیا تھا۔

ابو الفضل نے تمام مغل سرداروں کے حوصلے اور جوش تازہ کر دیئے۔ اور علاقہ برار میں جا بجا تھانے یعنے چھوٹے چھوٹے قلعے تعمیر کروا دئے۔ بعد ازاں احمد نگر کا محاصرہ کیا۔ چاند بی بی نے کہلا بھیجا کہ جب میں اپنے دشمن ابا ہنگ خاں کی گوشمالی کر لونگی۔ میں احمد نگر سے دستکش ہو کر جانیر (جونیر) کی جاگیر میں چلی جاؤنگی۔ اس اثنا میں شاہی حکم پہنچا کہ شہزادہ دانیال اور خان خانان احمد نگر پر چڑھائی کریں۔ اور ابو الفضل آسیر گڈھ میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو۔ شیخ نے سپاہ شاہرخ مرزا اور دیگر مغلیہ سرداروں کے سپرد کی۔ اور خود شاہ عالی تبار کی خدمتیں جو فرگاؤں میں قیام پذیر تھا۔ حاضر ہوا۔ شیخ فرید اور مغل سردار آسیر گڑھ کا محاصرہ کر رہے تھے جسکی مفصل کیفیت احمد نگر کی فتح کے بعد بیان ہوگی۔ چاند بی بی نے دیکھا کہ خانخاناں اور شہزادہ دانیال پھر احمد نگر کی فصیلوں کے نیچے پہنچ گئے ہیں۔ اس نے حمید خاں خواجہ سرا کو بلا کر مشورہ چاہا۔ اسنے کہا مزاحمت کرنی چاہیے۔ چاند بی بی نے جواب دیا۔ بہت سے افسر ناقابل اعتبار ہیں۔ اور میری رائے مال وجان کی حفاظت کی شرط پر قلعہ خالی کر دیا جائے۔ اور نوجوان شاہ کو ساتھ لیکر جونیر میں خلوت گزیں ہو جاؤں۔ حمید دوڑا۔ اور بازاروں میں مشہور کر دیا کہ چاند بی بی احمد نگر کو مغلوں کے سپرد کرنا چاہتی ہے۔ چند دکنی حمید کے ساتھ گئے اور بہادر دانشمند اور خیر خواہ ملک سلطانہ کا کام تمام کر دیا۔

مغلوں نے محصورین کی گولہ باری کے باوجود قلعہ احمد نگر کی فصیلوں کے

نیچے سرنگیں کھودلیں۔ گو دشمنوں نے بہت سی سرنگیں خراب کردیں۔ لیکن ایک بڑی سرنگ خراب نہ کرسکے۔ اسکے اڑنے سے تیس گز فصیل ہوامیں اُڑگئی۔ قلعہ کے بہت سے سپاہی پتھروں کے گرنے سے مارے گئے۔ لیکن محاصرین کا کچھ نقصان نہ ہُوا۔ اب بہادر چاند بی بی قلعہ کی حفاظت پر مستعد نہ تھی۔ مغل دھاوا کر کے قلعہ کے شگاف سے اندر داخل ہونے لگے۔ پندرہ سو سپاہی تہ تیغ ہوئے۔ قلعہ کی باقی فوج کی مصلحت کے خیال سے جاں بخشی کی گئی۔ بہادر نظام شاہ اور احمد نگر کے شاہی خاندان کے تمام لوگ گرفتار ہوئے۔ فتحیاب لشکر نے بہت سے قیمتی مال واسباب۔ جواہرات مرصع اسلحہ۔ بیش قیمت کتبخانے قیمتی ریشمی پارچات کے علاوہ پچیس ہاتھی گرفتار کیئے۔

فتح آسیر

یہ قلعہ[1] ملک خاندیس کے علاقہ میں شہر برہانپور کے شمال مشرق میں پہاڑ پر ۵۰۰ فٹ بلندی پر واقع ہے۔ مضبوطی۔ اور بلندی میں بے مثل۔ کمرگاہ کوہ میں شمال کو قلعہ مالی ہے۔ جو اس نادر قلعہ میں جائے۔ اس میں ہوکر جائے۔ اس قلعہ کے شمال میں چھوٹی مالی ہے۔ اسی کی تھوڑی سی تعمیری دیوار ہے۔ باقی پہاڑ کی دھار دیوار ہوگئی ہے جنوب کو اونچا پہاڑ ہے۔ اس قلعہ میں بہادر فاروقی راجہ علی کا بیٹا محض ناعاقبت اندیشی سے سرکش ہوکر بیٹھ گیا۔ بادشاہ کے ایلچیوں نے ہرچند سمجھایا مگر وہ راہ راست پر نہ آیا۔ سرکشوں نے ہر جگہ کو توپوں اور سپاہیوں سے مضبوط کر رکھا تھا کوتہ اندیش جانتے تھے کہ ٹوٹ نہ سکیگا۔ غلہ گراں۔ منڈیاں دور۔ مغلیہ افواج قحط سے بیدل ہو رہی تھیں۔ شیخ فرید۔ بہاز بہادر۔ قرابیگ۔ شیخ ابوالفضل[2] اس قلعہ کے محاصرہ میں کمال جانفشانی کر رہے تھے۔ بادشاہی سردار اپنے اپنے مورچوں سے حملے کرتے تھے۔ مگر غنیم پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ شیخ نے ایک پہاڑ کی گھاٹی سے ایسا چور رستہ معلوم کیا کہ جہاں سے دفعتاً مالی کی دیوار کے نیچے جا کھڑے ہوں۔ بادشاہ سے عرض کر کے اجازت لی۔ اور جو امرا محاصرہ میں جانفشانی کر رہے

---

[1] اس قلعہ کے حالات اور لڑائی کا اکثر حصہ دربار اکبری سے اخذ کیا گیا ہے (مولف)

[2] مفصل کیفیت کیلئے شیخ ابوالفضل کی سوانح عمری دیکھیں (مولف)

تھے۔ سب ملکر قرار پایا کہ فلاں وقت میں حملہ کرونگا۔ جب نقارہ اور کرنا کی آواز بلند ہو۔ تم بھی سب نقارہ بجاتے نکل پڑو۔ طوعاً وکرہاً سب نے مانا۔

ایک رات کہ اندھیری بھی بہت تھی۔ اور مینہ برس رہا تھا شیخ خاصگی سپاہ کی ٹولیاں باندھ کر ساپن پہاڑی پر جو جنوبی پہاڑ کردہ نام کے پاس ہے۔ چڑھ گیا پچھلی رات تھی کہ اسی چور راستہ سے ہو کر مالی کا دروازہ جا توڑا۔ بہت سے بہادر قلعہ میں گھس گئے۔ شیخ بھی دوڑا۔ پو پھٹتی تھی کہ سب جا پہنچے غرض مالی پر قبضہ ہو گیا اور غنیم قلعہ آسیر میں گھس گیا۔ اسکے بعد کچھ عرصہ تک قیل وقال ہوتی رہی۔ آخر گھبرا کر قلعہ آسیر بھی حوالے کر دیا۔ یہ مشہور قلعہ ۱۴ جنوری ۱۶۰۱ء کو فتح ہوا۔ اس قلعہ میں بیشمار سامان حرب وضرب۔ خزانہ اور جواہرات تھے۔ سب بادشاہ کے تصرف میں آ گئے۔

احمد نگر۔ ناسک۔ آسیر وغیرہ کی فتح سے دکن کا بہت سا علاقہ اکبر کے زیر نگین ہو گیا۔ یوں تو شروع حکومت سے ہی اکبری اقبال کی شہرت دشمنوں کے حق میں شمشیر براں سے زیادہ کام کیا کرتی تھی۔ لیکن دکن کی مہمات میں ایسی کامیابی ہوئی کہ اکبری رعب داب کی دھاک بندھ گئی۔ شاہان بیجاپور اور حیدرآباد بھی اکبر کا لوہا مان گئے۔ اور اطاعت قبول کی۔ بہادر فاروقی کو قلعہ گوالیار میں نظر بند کیا گیا۔ خاندیس کا نام دانیال کی نسبت سے داندیس ہوا۔ شہزادہ موصوف کو دکن۔ برار۔ داندیس۔ مالوہ اور گجرات کی سپہ سالاری عطا ہوئی اسوقت جلالہ روشنائی جس نے چاروں طرف سے پھر پھرا کر غزنی میں علم بغاوت بلند کیا تھا۔ کیفر کردار کو پہنچا۔ غرض ہر طرف سے فتح وکامیابی کی خبریں دھوم دھام سے آتی تھیں۔ علم شاہی دکن سے ہندوستان کی طرف لوٹا۔ اکبر شاہ دکن کا لقب اختیار کر کے نہایت تزک احتشام اور جاہ وجلال کے ساتھ آگرہ میں داخل ہوا گو وہ بظفر وشادمانی پایہ تخت میں رونق افروز ہوا تھا۔ لیکن اسکے دل پر غم چھایا ہوا تھا۔ جسکی تشریح آئندہ صفحات میں درج ہے۔

سلیم کی بغاوت اور ابوالفضل کی شہادت

اکبر کے ایک زبردست حریف عبداللہ خاں اذبک والئے ترکستان نے بیٹے کے

ہاتھ سے قضا کا جام پیا تھا۔ اکبر کو ہر وقت اپنے نالائق بیٹوں اور بالخصوص سلیم سے اندیشہ رہتا تھا۔ مہم دکن پر روانہ ہونے سے پیشتر اکبر نے دیکھا کہ سلیم خوشامدیوں کے حلقہ میں شراب خوری اور عیاشی میں مصروف رہتا ہے۔ بنابریں بادشاہ نے مناسب سمجھا کہ اسکو ملک گیری اور لشکر کشی میں مصروف ہونے پر آمادہ کیا جائے سلیم کو شہنشاہی خطاب اور بادشاہی اسباب و لوازمات دیکر ولیعہد قرار دیا اجمیر کا صوبہ متبرک سمجھکر اسکی جاگیر میں دیا۔ اور میواڑ (اودے پور) کی مہم پر نامزد کیا راجہ مان سنگھ وغیرہ امرائے نامدار کو ساتھ کیا۔ تمن۔ توغ۔ علم۔ نقارہ۔ فراش خانہ وغیرہ تمام سامان سلطانی عنایت فرمائے۔ لاکھ اشرفی نقد دی۔ عماری دار ہاتھی سواری کو دیا۔ مان سنگھ کو بنگالہ کا صوبہ پھر عنایت کیا۔ اور حکم دیا کہ شہزادہ کی رکاب میں جاؤ۔ جگت سنگھ اپنے بڑے بیٹے یا کسی اور مناسب شخص کو نیابت بنگالہ پر بھیجدو۔

سلیم نوجوان اور عیش کا بندہ تھا۔ ملک گیری اور لشکر کشی کے خطرات اور سفر کی کوفتوں سے کوسوں بھاگتا تھا۔ آپ اجمیر کے علاقہ میں شکار میں مصروف ہوا۔ اور امرا کو رانا پر روانہ کیا۔ دوسرے رانا کا علاقہ کوہستانی ویران۔ گرم تھا۔ غنیم جان سے ہاتھ دھوئے ہوئے کبھی ادھر سے آن گرا۔ کبھی اُدھر سے شبخون مارا۔ بادشاہی فوج بڑے حوصلہ سے حملہ کرتی تھی۔ اور روکتی تھی۔ رانا جب دبتا تھا پہاڑوں میں بھاگ جاتا تھا۔ شہزادہ کے پاس بدنیت اور بداعمال مصاحب صحبت میں تھے۔ وہ ہر وقت دل کو اچاٹ اور طبیعت کو آوارہ کرتے تھے۔ انھوں نے کہا۔ کہ بادشاہ اسوقت مہم دکن میں مصروف ہیں۔ اور منصوبہ عظیم پیش نظر ہے۔ مدتوں کی منزلیں اور مسافت درمیان ہے۔ آپ راجہ مان سنگھ کو اسکے علاقہ پر رخصت کر دیں۔ اور آگرہ کی طرف علم منصور بڑھا کر کوئی میر حاصل اور سرسبز علاقہ زیر نگیں کر لیں۔ یہ امر کچھ معیوب نہیں۔ جوہر ہمت اور غیرت سلطنت کی بات ہے۔

مورکھ شہزادہ انکے بھرے میں آگیا۔ اور ارادہ کیا کہ پنجاب میں جا کر اپنے نام پر حکومت کرے۔ اور باغی بن بیٹھے۔ ادھر بنگالہ میں بغاوت ہوئی۔

راجہ کی فوج نے شکست کھائی۔ راجہ مان سنگھ کو ادھر رخصت کیا۔ اور آپ راجپوتانہ کی مہم چھوڑ کر آگرہ کو روانہ ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ راجہ مان سنگھ بھی سلیم سے ناراض تھا۔ اور جب اس نے دیکھا کہ ولیعہد سرکشی پر اتر آیا ہے۔ اسکو سمجھایا کہ بنگالہ میں ملک گیری اور شہرت کا میدان خالی ہے وہاں جاکر قوت اور قسمت آزمائی کیجئے۔ جہانگیر نے بھی مان لیا۔ لیکن بنگالہ کی بغاوت سے راجہ کو فی الفور ادھر روانہ ہونا پڑا۔ سلیم اپنے خوشامد پسند مصاحبوں میں اکیلا رہگیا۔ انھوں نے پھر وہی سرگوشیاں شروع کیں۔ سلیم آگرہ کے باہر فروکش ہوا۔ قلعہ میں مریم مکانی والدہ اکبر بھی موجود تھی۔ قلیچ خاں پرانا خدمتگار اور نامی سپہ سالار قلعدار اور تحویلدار تھا۔ اس نے قلعہ سے نکلکر بڑی خوشی اور شگفتہ روئی سے مبارکباد دی۔ مگر اصل میں وہ شہنشاہ اکبر کی وفاداری سے منحرف نہ ہونا چاہتا تھا۔ ولیعہد نے ہرچند اسکو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہا مگر اس نے تا نا آخر جہانگیر الہ آباد کی طرف روانہ ہوا۔ اور بہت سی جاگیروں اور بہار کے خزانہ پر جسکی مالیت تیس لاکھ روپے کے قریب ہوگی۔ قبضہ کر کے شہنشاہی لقب اختیار کیا۔ مریم مکانی کو جب ان باتوں کی خبر ہوئی کشتی پر سوار ہوکر جہانگیر کے پیچھے پیچھے گئیں۔ مگر وہ ایک تیز رفتار کشتی پر سوار ہوکر آگے نکل گیا۔ ناچار مریم مکانی کو واپس آنا پڑا۔

اکبر کو ان امور کی خبریں برابر پہنچ رہی تھیں۔ اسیر کی فتح سے فارغ ہوکر دکن کا انتظام معتمد امرا و سرداروں کے سپرد کر کے بعجلت تمام آگرہ کو روانہ ہوئے۔ یہاں آکر سلیم کو حضوری میں طلب کیا۔ مگر وہ مصاحبوں کے بہکانے یا اس خیال سے کہ بادشاہ سختی سے سلوک نہ کرے۔ حاضر نہ ہوا۔ اکبر نے اسکی ناہنجار حرکت سے اغماض نظر کیا۔ اسکے بعد سلیم نے پھر بغاوت کی۔ الہ آباد میں بگڑ بیٹھا۔ اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ ٹکسال میں سکہ ڈھلوایا۔ روپے اشرفیاں مصاحبوں کے لین دین میں آگرہ اور دلی پہنچائیں۔ کہ باپ دیکھے اور جلے۔ بادشاہ کے پرانے وفاداروں اور قدیمی جاں نثاروں کو اپنا بدخواہ اور نمکحرام ٹھہرایا کسی کو سخت قید۔ کوئی قتل۔ غرض اس حالت میں اکبر نے شیخ ابوالفضل

کو دکن سے بلوایا۔ اور وہ چند معتمدوں کے ساتھ جریدہ آگرہ کی جانب روانہ ہوئے۔ سلیم نے خیال کیا کہ شیخ نہ معلوم اکبر کو کیا پٹی پڑھائی۔ شیخ اور شہزادے کی بہت عرصہ سے رنجش چلی آتی تھی۔ اور شیخ جادہ اعتدال سے گذر کر سلیم سے اپنی نفرت کو چھپاتا نہ تھا۔ سلیم کو بھی ذرا ذرا خبریں پہنچ رہی تھیں۔ شیخ کے راستہ میں ایک بندیلہ راجپوت راجہ بیر سنگھ دیو کا علاقہ تھا۔ وہ ایک چھٹا ہوا بدمعاش اور لوٹ مار پر گذارہ کرتا تھا۔ سلیم نے اسکو لکھ بھیجا کہ شیخ ابوالفضل کا کام تمام کر دو۔ خاطرخواہ انعام دونگا۔ جب شیخ اور اُسکے رفیق راجہ کے علاقہ میں پہنچے۔ راجہ نے ۵ سو لٹیروں کے ساتھ حملہ کیا۔ اور ابوالفضل کے قلیل ہمراہیوں کو عدم آباد پہنچا کر خود شیخ کو شہادت کا جام پلایا۔ اس واقع کی مفصل کیفیت شیخ ابوالفضل[لے] کی سوانح عمری میں درج ہے۔ سلیم نے اپنی اس تجویز کو چھپایا نہیں۔ بلکہ تزک جہانگیری میں بڑے فخر اور غرور سے اعتراف کیا ہے کہ شیخ کو مخالفت کی وجہ سے میں نے قتل کروایا۔ حیف ہے ایسی ناعاقبت اندیشی پر۔ اکبر جو سلیم کی خودسری سے پہلے ہی غمگین اور افسردہ خاطر رہتا تھا۔ شیخ کی وفات حسرت آیات کی خبر سُنکر گویا کوہ غم کے نیچے دب گیا۔ بلکہ اپنے بیٹے مراد کی وفات سے بھی زیادہ افسوس ہوُا۔ کئی روز تک کسی سے ملاقات نہ کی۔ بندیلہ راجپوت راجہ نے شیخ کا سر کاٹ کر الہ آباد میں سلیم کے پاس پہنچا دیا۔ جس نے ایک عالی دماغ، روشن ضمیر عالم فاضل ارسطوئے دوران کے مقدس سر کو کمال لاپرواہی سے پاخانہ میں ڈلوا دیا۔ بادشاہ نے کئی دن تک دربار نہ کیا۔ افسوس کرتا تھا اور روتا تھا بار بار چھاتی پر ہاتھ مارتا تھا۔ اور کہتا تھا ہائے شیخو جی! سلیم! بادشاہت لینی تھی تو مجھے مارنا تھا۔ شیخ کو کیا مارنا تھا۔ اسکا بے سر لاشہ سامنے آیا تو یہ شعر پڑھا۔

شیخ ما از شوق بیحد چوں سوئے ما آمدہ ۔۔۔ زاشتیاق پائے بوسی بے سر و پا آمدہ

اکبر سلیم کو تو کیا کہہ سکتا تھا۔ شیخ کے بیٹے عبدالرحمٰن اور چند اور سرداروں کو بیر سنگھ کی سرکوبی پر مامور کیا۔ شاہی لشکر تعاقب کرتا تھا۔ لیکن وہ شہر بہ شہر اور علاقہ بہ علاقہ بھاگا پھرتا تھا۔ آخر ارچ کے قلعہ میں گھر گیا۔ لیکن رات کو جب محاصرین سو رہے تھے۔ نکل بھاگا۔ سلیم کے عہد میں اس شریر کو سہ ہزاری منصب عطا ہوُا۔

[لے] شیخ ابوالفضل کی سوانح عمری قیمت ۸ر اس کتب خانہ سے مل سکتی ہے

اکبر کی وفات

اکبر کے اکثر معتمد امرا و وفادار ارکین و عمائد دربار اس دار ناپائدار سے رخصت ہو چکے تھے۔ وہ ان کی حسرتناک وفات کی یاد اور سلیم کی سرکشی سے اکثر غمگین رہتا تھا۔ بڑھاپے میں کثرت الم اور رنج سے اسکی طبیعت میں پہلے سی شگفتگی نہ رہی تھی۔ طرہ یہ کہ جب بادشاہ سلیم کی بداعتدالیوں کو روکنے کے لئے الہ آباد کیطرف روانہ ہوا۔ خبر آئی کہ مریم مکانی (والدہ اکبر) کا برا حال ہے۔ آخر پھر آئے۔ اور ایسے وقت پہنچے کہ لبوں پر دم تھا۔ ماں نے بیٹے کا آخری دیدار دیکھکر ۱۰۱۲ھ (۱۶۰۴ء) میں دنیائے دوں سے سفر کیا۔ اکبر کو بڑا رنج ہؤا۔ بھدرا کیا کہ چنگیز خوانی تورہ اور ہندوستانی ریت کا حکم تھا۔ ہم اسو نمک حلالوں نے ساتھ دیا۔ تھوڑی دور سعادتمند بیٹے نے ماں کا تابوت سر پہ اُٹھایا پھر امرائے نامدار کو تابوت سپرد کرکے دلی روانہ کیا کہ ہمایوں کے پہلو میں دفن ہو۔ جہانگیر بھی روتا بسورتا اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ باپنے پیار سے گلے لگایا۔ جہانگیر کی یہ نوبت ہو گئی تھی کہ فقط شراب کا نشہ بس نہ تھا۔ اسمیں افیون گھول کر پیتا تھا۔ اکبر نے حکم دیا کہ محل سے نکلنے نہ پائے۔ مگر تابکے۔ جہانگیر پھر نکل گئے۔ ابھی والدہ اور مراد کی وفات سے آنسوؤں سے پلکیں نہ سوکھی تھیں کہ اکبر کو پھر جوان بیٹے کے غم میں رونا پڑا یعنے سنہ ۱۰۱۳ھ میں شہزادہ دانیال نے بھی اسی شراب خانہ خراب کے پیچھے اپنی جان عزیز ضائع کی۔ اور سلیم کیلئے میدان خالی چھوڑ گیا۔

تاریخوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر اپنے بیٹے سلیم اور پوتے خسرو دونوں میں سے ایک کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا۔ گو اسوقت تک اس نے قطعی فیصلہ نہ کیا تھا کہ ان میں سے کس کو جانشین نامزد کرے۔ راجہ مان سنگھ اور عزیز کوکہ خانخانان خسرو کے طرفدار تھے۔ اور سلطنت کے بعض اور امرائے نامی [illegible] شہزادہ سلیم کی حمایت پر مستعد تھے۔ اکبر نے سلیم کے ہاتھی گرانبار اور خسرو [illegible] کے ہاتھی آپ روپ[1] کو بطور شگون لڑایا۔ اور خاصہ کے ایک ہاتھی

[1] [illegible] ڈرک اگسٹس کی تاریخ اکبری میں اب روپ لکھا ہے۔ (مولف)

رن تھمن کی نسبت یہ تجویز ہوئی کہ دونوں ہاتھیوں میں سے جو دب جائے اسکی مدد کرے۔ سلیم کے ہاتھی نے خسرو کے ہاتھی کو بھگا دیا۔ اور جب رن تھمن مدد کے لئے پہنچا اسکو بھی نوک دم بھگا دیا۔ گو قطعی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ اس لڑائی کے نتیجہ سے اکبر کے دل میں کہانتک اثر ہوا۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ جانشینی کے بارے میں اسکا میلان زیادہ تر سلیم کی طرف ہی تھا۔ اکبر جانتا تھا کہ خسرو ایکدفعہ ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر نہ رہیگا۔ کیونکہ اسکا پیچھا بھاری ہے یعنے مان سنگھ کا بھانجا ہے۔ تمام سردار ان کچھواہہ ساتھ دینگے۔ خان اعظم کی بیٹی اس سے بیاہی ہے۔ وہ بھی سلطنت کا رکن اعظم ہے۔ ان دونوں کا ارادہ تھا کہ جہانگیر کو باغی قرار دیکر اندھا کردیں۔ اور قید رکھیں۔ مگر انکو اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ اکبر کی حالت غیر ہوئی تو اُسکے اشارہ سے سلیم قلعہ سے نکلکر ایک مکان محفوظ میں جا بیٹھا۔ وہاں شیخ فرید بخش وغیرہ پہنچے۔ اور شیخ انکو اپنے مکان میں لے گئے۔

اکبر کو ہاتھیوں کی لڑائی کے دوسرے روز پیچش کی بیماری ہوگئی تھی شاہی حکیم علی نے پہلے چند روز تک علاج نہ کیا کہ طبیعت خود بخود سنبھل جائیگی۔ جب آرام نہ آیا قابض دوائی دی۔ اسپر سخت بخار ہوگیا بعد ازاں جلاب دیا۔ اس سے پھر پیچش شروع ہوگئی۔ غرض ہر روز حالت بگڑنے لگی۔ اکبر نے جہانگیر کو گلے سے لگا کر بہت پیار کیا۔ اور کہا کہ امرائے دربار کو یہیں بلالو۔ جب وہ حاضر ہوئے تو پھر بیٹے سے کہا اے فرزند دلبند مجھے قبول نہیں کرتا کہ تجھ میں اور میرے ان دولتخواہوں میں بگاڑ ہو۔ جنھوں نے برسوں میرے ساتھ یلغاروں میں محنتیں اُٹھائیں۔ اور تیغ و تفنگ کے منہ پر جان جوکھوں میں رہے۔ اور میرے جاہ و جلال اور ملک و دولت کی ترقی میں جانفشانی کرتے رہے۔ امرا کی طرف مخاطب ہوکر کہا۔ اے میرے وفادارو۔ اے میرے عزیزو اگر میں نے بھولے سے بھی تمہاری کوئی خطا کی ہو تو معاف کرو۔ جہانگیر نے جب یہ بات سنی تو باپ کے قدموں پر گرا اور زار زار رونے لگا۔ باپ نے سر اُٹھا کر سینہ سے لگایا۔ اور تلوار کی طرف جو علاقہ کی طرف اشارہ کرکے کہا اسے کمر سے باندھو۔ اور میرے سامنے بادشاہ بنو۔ خسرو سے کہا کہ خاندان کی عورتوں اور حرم سرا کی بیبیوں کی غور و پرداخت ... فرمایا ... غافل

نہ رہنا۔ غرض بادشاہ نے سب کو اتفاق و یکجہتی کی نصیحت کی۔ اور ۱۵؁ اکتوبر ۱۶۰۵ء کو دار فانی سے عالم عقبیٰ کی طرف رحلت کر گیا۔

آگرہ سے چھ میل کے فاصلے پر باغ بہشت آباد میں بمقام سکندرہ اکبر نے اپنا مقبرہ خود تعمیر کرایا تھا۔ دوسرے روز یعنی ۱۶ اکتوبر ۱۶۰۵ء کو جلال الدین شہنشاہ ہندوستان کمال تزک و احتشام اور جاہ و جلال کے ساتھ اس مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ باوجود مرور زمانہ کے یہ عالیشان مقبرہ ابتک بہت عمدہ حالت میں ہے بلحاظ خوبصورتی اور شان و شوکت کے یہ ہندوستان بلکہ ایشیا بھر میں بینظیر ہے۔

آصف خاں نے اکبر کی تاریخ ذیل کہی جس میں ایک سال کی زیادتی ہے۔

فوت اکبر شد از قضائے الہ گشت تاریخ فوت اکبر شاہ

کسی نے بہت خوب تخرجہ کیا ہے ع

الف کشیدہ ملائک ز فوت اکبر شاہ

اور یہ مصرعہ اسقدر مشہور ہوا کہ اکثر تاریخوں میں اکبر کی وفات کے بارہ میں یہی نقل کیا جاتا ہے

اکبر کا مذہب

ابتدا میں اکبر مسلمان اور سنی تھا۔ علما کی مذہبی زیادتیوں اور سینہ زوریوں سے اسکا دل اسلام سے بیزار ہو گیا۔ مذہبی تحقیقات کے مباحثے شروع ہوئے۔ اور ہر بات میں برہان و دلیل طلب ہوئی۔ اکبر کا خیال تھا کہ اس تحقیقات سے مذہب کی اصل حقیقت معلوم ہو جائیگی۔ لیکن اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر تقریباً تمام مذاہب سے بیزار ہو گیا۔ یا یوں کہو کہ ہر مذہب کی عمدہ باتوں کو پسند اور نقائص سے نفرت کرنے لگا۔ آخر مصلحت ملکی یا تصوف کے اثر اور ابوالفضل اور شیخ فیضی وغیرہ کی ترغیب سے خود ایک مذہب کا موجد ہوا جسکا نام دین الٰہی اکبر شاہی رکھا اس نے پارسیوں کو گجرات سے بلایا۔ اور انکے عقائد و مسائل کو سنکر حکم دیا کہ ایک آتشکدہ روشن کیا جائے۔ اور ابوالفضل کو تاکید ہوئی کہ مقدس آگ کبھی نہ بجھے

لہ فریڈرک آگسٹس نے لکھا ہے کہ بادشاہ بروز منگل عالم جاودانی کو سدھارے۔ آزاد لکھتے ہیں بدھ کو۔ اس اختلافات کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوئی۔ مگر ایک تاریخ وفات دونوں نے ۱۲ جمادی الآخر ۱۰۱۴ھ لکھی ہے۔

اسپر آتش پرستی اور آفتاب پرستی کا الزام لگایا جاتا ہے۔ جو ایک حد تک قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ وہ پارسیوں کی طرح آفتاب کو خداوند کی شان و شوکت کا مظہر مانتا تھا۔ اور صبح کو محل شاہی کے ایک جھروکہ میں جسکا رخ مشرق کی طرف تھا بیٹھا کرتا تھا۔ عوام جھروکے کے نیچے آکر کورنش کرتے تھے اہل ہنود کی تالیف قلوب کے خیال سے انکی بعض رسوم دھوم دھام سے ادا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ اپنی والدہ مریم مکانی وغیرہ کی وفات پر خود بھدرا کیا۔ اور اراکین دربار نے بھی کیا۔ اکبر کو شادی کے بعد بہت عرصہ تک اولاد نصیب نہ ہوئی۔ اس لئے سلیم چشتی وغیرہ اولیا سے دعائیں منگواتا تھا۔ اور اسکے تینوں بیٹے کسی نہ کسی اولیا کی نسبت سے موسوم کئے گئے۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا بڑا معتقد تھا۔ اور ہر مہم پر روانہ ہونے سے پیشتر ان کے مقبرہ کی زیارت کیا کرتا تھا۔ بعض اوقات پیادہ پا زیارت کو گیا۔ اسکی وجہ سوائے وہم کے کیا ہو سکتی ہے۔ لیکن اسکے مذہب نے زیادہ ترقی نہ کی باوجودیکہ امراء و اراکین کو اسکا مذہب اختیار کرنے سے ترقی دنیاوی کی بہت کچھ امید ہو سکتی تھی۔ صرف اٹھارہ امرا دین الٰہی میں شامل ہوئے۔ ابوالفضل اسکے خلیفہ اول تھے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابوالفضل کی وفات کے بعد اکبر کے دل میں ملہم من جانب اللہ ہونیکا خیال نہ رہا تھا۔ بلکہ بعض تاریخوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ پھر مذہب اسلام اختیار کر لیا تھا[۱]

اکبر کی خصلت

اکبر قوی ہیکل اور وجیہ شخص تھا۔ لذائذ نفسانی کی طرف سے اپنی طبیعت کو بہت روکتا تھا۔ ریاضت جسمانی اور شکار کا بہت شوق رکھتا تھا۔ اور اکثر ایک دن میں تیس چالیس میل تک پیادہ پا چلا جاتا تھا۔ ہاتھیوں اور چیتوں کی لڑائی کا بہت شائق تھا۔ بہادری اور شجاعت میں اپنے زمانہ کے تمام بادشاہوں میں بے نظیر تھا۔ مہمات سلطنت کی انجام دہی میں کئی دفعہ ایسی یلغاریں کیں کہ مہینوں کی منزلوں کو ہفتوں میں پیٹ کر منزل مقصود پر جا پہنچا۔ معاملات اور مقدمات کے انفصال کیلئے اوقات اور قاعدے باندھ رکھے تھے۔ اور

[۱] دیکھو تاریخ بتھرج اردو دربار اکبری۔ وغیرہ (مولف)

انہی کے بموجب عمل کرتا تھا۔ عالم نہ تھا۔ مگر زبان سنسکرت سمجھ سکتا تھا۔ اور مختلف کتابیں علما سے سُنکر معلومات کا کافی ذخیرہ بہم پہنچایا تھا۔ ہر قسم کے علم کا قدر دان تھا۔ چنانچہ بہت سی عمدہ عمدہ علمی تصنیفات کا اس نے خود اہتمام کیا۔ اپنے خاندان اور دوستوں سے اسکو بڑی محبت تھی۔ اور وہ بڑا رحمدل اور کریم النفس بادشاہ تھا۔ سوائے اشد ضرورت کے دشمن کو قتل نہ کرتا تھا۔ اکثر دشمنوں کو مغلوب کرکے اسنے اپنے دربار میں عمدہ عمدہ خدمات پر مامور کیا تھا۔ اسکی فیاضی سخاوت اور رحم کی مثالیں اسکی سوانح عمری میں جابجا بیان ہوچکی ہیں۔ فقرا و مساکین علما و مشائخ کو بہت سا روپیہ تقسیم کیا کرتا تھا۔ مزاروں اور مقبروں پر بیحد دولت لٹاتا تھا۔

جہاز رانی کا شوق

ہندوستان کے بادشاہوں کو ملک کی طبعی حالت اور مذہبی پابندی کی وجہ سے دریائی ملک گیری اور سفر بحر کا مطلق خیال اور شوق نہ تھا۔ اکبر نے حاجیوں وغیرہ کی تکالیف دیکھکر ارادہ کیا کہ جہاز بنائے جائیں۔ چنانچہ ایک چھوٹا سا جہاز بنا کر دریائے راوی میں ڈالا گیا۔ لیکن وہ پانی کی قلت کے باعث چل نہ سکا۔ پھر اکبر کا خیال اور مہمات میں مصروف ہوگیا۔ اور جہاز رانی کی تجویز ادھوری رہ گئی۔

اکبر کی اولاد

اکبر نے اولاد سعادتمند نہ پائی۔ بڑھاپے میں بیٹوں سے دُکھ بھی پائے اور داغ جگر بھی اُٹھائے اکبر کے تین بیٹے تھے۔ جہانگیر سب سے بڑا راجہ بہاری مل کچھواہہ کا نواسہ تھا اسکی شراب خوری عیش پرستی اور سرکشی کا حال بیان ہوچکا ہے۔ نظر بر اختصار اعادہ کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ مراد فتحپور کے پہاڑوں میں پیدا ہوا۔ اسی لئے اکبر پیار سے اسے پہاڑی راجہ کہا کرتا تھا۔ مہم دکن پر سپہ سالار ہوکر گیا۔ شراب منہ کو لگی ہی تھی اور مدت سے گھلا رہی تھی وہاں جاکر یہ لت اور بڑھ گئی تیس برس کی عمر میں مراد نامراد ناشاد جواں مرگ دنیا سے گیا دانیال اجمیر کے ایک نیک مرد صالح مجاور درگاہ شیخ دانیال کے گھر پیدا ہوا۔ اکبر نے اپنی خاتون محترم کو

جو شہزادہ دانیال کی ماں تھی۔ حمل کے ایام میں برکت کیلئے شیخ موصوف کے گھر بھیجدیا تھا۔ مہم احمد نگر کے حال میں پڑھ چکے ہو کہ دانیال شہزادہ کی سپہ سالاری میں ہی قلعہ احمد نگر فتح ہوا تھا۔ اسکو بھی شراب خانہ خراب سے سخت محبت تھی۔ آخر بادشاہ کے حکم سے شراب پہنچنی بند ہوگئی۔ ایک امیر الیچ کا مارا دانیال کی دلپسند بندوق کی نالی میں جس پر مندرجہ ذیل شعر لکھا ہوا تھا۔ شراب بھر کر لیگیا ؎

از شوق شکار تو شود جاں تر و تازہ ۔۔۔ بر ہر کہ خورد تیر تو یکہ و جنازہ

اس بندوق کا نام جنازہ رکھا ہوا تھا۔ افسوس کہ یہی بندوق دانیال کے حق میں پیش خیمہ موت ثابت ہوئی۔ دانیال اس شراب کو پیکر جو اسکی نالی میں بھر کر آئی تھی۔ جاں بحق ہوا۔ اور باپ کے دل پر دوسرا داغ دیگیا۔ اکبر کی ایک بیٹی بھی تھی۔ شائد اور بھی ہوں تاریخوں سے صاف صاف ثابت نہیں ہوتا کہ کتنی بیٹیاں تھیں

ایجاد ہائے اکبری۔

اکبر کو ہاتھیوں کے پکڑنے اور لڑانیکا بہت شوق تھا۔ ہاتھی پکڑنے میں ایجادیں کیں۔ عموماً جنگلی ہاتھی اسطرح پکڑتے تھے کہ ایک ہاتھی پر سوار ہوکر اسکے پیچھے بھاگتے۔ دو ہاتھی ساتھ ہوتے۔ جب جنگلی ہاتھی تھک جاتا رسیوں وغیرہ کے ذریعے گرفتار کر لیتے۔ اور پالتو ہاتھیوں کے بیچمیں رکھ کر لے آتے۔ دربار اکبری میں اکبر کے ہاتھیوں کے شکار کی بہت سی مثالیں درج ہیں چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بادشاہ خاندیس سے آگرہ کی طرف آرہے تھے ہاتھیوں کا ایک گلہ نظر آیا فیلبانوں کو حکم ہوا کہ سدھے ہوئے ہاتھیوں پر سوار ہوکر سیاہ شالیں لپیٹ انکے پیٹ سے اس طرح وصل ہوجاؤ کہ جنگلی ہاتھیوں کو ذرا نظر نہ آئے۔ آخر اس گلہ کو ایک قلعہ میں لیگئے۔ اور اس ترکیب سے بہت سے ہاتھی گرفتار ہوئے۔

چوگان بازی میں بھی ایک اختراع کی۔ چوگان کھیلتے کھیلتے شام ہو جاتی تھی۔ اور اکثر بازی تمام نہ ہوتی تھی۔ اور مشکل یہ کہ گیند دکھائی نہ دیتی تھی۔ اس دقت کے رفع کرنیکے لئے لکڑی کی ایک گیند تراشی اور اسپر فاسفورس وغیرہ دوائیاں ملیں کہ اندھیرے میں منور روشن ہوکر گیند نظر آتی رہی اس قسم کے گیند کو گوئے آتشیں کہتے تھے۔

چار ایوان یا عبادت خانہ کی تشریح ہو چکی ہے۔ اس میں عقلا و علما۔ امرا اور صوفیا وغیرہ جمع ہوتے تھے۔ اور مسائل مذہبی۔ مہمات سلطنت۔ مقدمات ملکی اسمیں پیش ہوتے تھے۔

تقسیم اوقات۔ مشرقی بادشاہوں میں سے شاذ اکبر ہی ایسا بادشاہ ہے جسنے اپنے مختلف کاروبار کیلئے اوقات کی تقسیم کی تھی۔ وہ خود بھی اسکی پابندی کرتے تھے۔ اور امرا وغیرہ کو تاکید کرتے تھے کہ جو کام کریں وقت کی پابندی سے کریں۔ بادشاہ کا دستور العمل یہ تھا۔ کہ صبح اٹھتے ہی نماز کیو یا عبادت میں مصروف ہوتے۔ اور دل کی صفائی کرتے۔ بعد ازاں بدن اور لباس کی صفائی وغیرہ کرتے۔ پھر دربار عام میں معدلت گستری کرتے پھر کھانا تناول کرتے۔ اسمیں دو گھڑی سے زیادہ صرف نہ کرتے تھے۔ پھر ہاتھی گھوڑوں کا ملاحظہ فرماتے۔ پھر محلوں میں جاتے۔ اور بیبیوں کی عرض معروض سنتے۔ پھر آرام فرماتے۔ اڑھائی پہر یعنے قریباً چار گھنٹے سوتے تھے۔

معافی جزیہ و محصول۔ اکبر نے شاہان اسلام کے اصول اور مذہبی احکام کے خلاف۔ جزیہ و چنگی کا محصول اور نیز کئی اور مواجبات معاف کر دئے۔

گنگ محل۔ انسان کی طبعی اور مادری زبان کی تحقیقات کیلئے شہر سے الگ ایک عمارت بنوائی (۹۸۸ھ)۔ بیس بچے پیدا ہوتے ہی ماں سے لے لئے۔ اور انکی حفاظت کے لئے انائیں خدمتگار وغیرہ غرض کل عملہ گنگا ہی رکھا۔ چند سال بعد انکا ملاحظہ کیا تو سب غائیں بائیں کرتے تھے کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔

التزام دوازدہ سالہ۔ مغلیہ خاندان کے بادشاہوں نے ۱۲-۱۲ سال کا ایک ایک مجموعہ کرکے ہر ایک سال کا ایک ایک نام رکھا تھا۔ اسی کی تقلید سے اکبر خود اور اسکے جانشین ہر سال میں اسکے مناسب حال ایک خاص کام التزام رکھتے تھے۔ مثلاً سچقائیل (چوہے کو نہ ستائیں)، اودئیل (گائے وغیرہ کی پرورش کا سال)۔ پارسن ئیل (چیتے کا سال) توشقائیل (خرگوش کا سال)۔ لوئی ئیل (مچھلی کا سال)۔ ییلائیل (سانپ کا سال) آیت ئیل (گھوڑوں کا سال)۔ قوی ئیل (بکری کا سال)، پیچی ئیل (بندر کا سال)، تنخاقوئیل (مرغ کا سال)۔ ایت ئیل (کتے کا سال) تنگوزی ئیل (سور کا سال)۔ مطلب یہ کہ ان سالوں میں مخصوص جانوروں کو نہ ستائیں۔

مردم شماری۔ ۹۸۹ھ میں حکم ہوا کہ تمام جاگیردار۔ عامل۔ شقدار وغیرہ سب ملکر

دفتر مردم شماری نام بنام۔ بہ قید پیشہ و حرفہ وغیرہ وغیرہ مرتب کریں۔
خیر پورہ دہرم پورہ۔ مسلمان اور ہندو مسافروں کے آرام کیلئے شہروں اور منزلوں میں جا بجا دو مقام مقرر ہوئے۔ وہاں کھانے اور آسائش کا تمام سامان مہیا رہتا تھا۔ مسلمانوں کے لئے خیر پورہ اور اہل ہنود کے لئے دہرم پورہ تھا۔
شیطان پورہ۔ آگرہ کے باہر بازاری عورتوں کیلئے آباد کیا۔ اسکے لئے بھی آئین تھے۔ داروغہ منشی۔ چوکیدار موجود۔ جو شخص کسی رنڈی کے پاس آکر رہتا۔ یا گھر لیجاتا نام کتاب میں لکھوا جاتا۔
زنانہ بازار۔ ہر مہینے میں معمولی بازار کے تیسرے دن قلعے میں لگتا تھا۔ اسمیں مستورات قیمتی اور نادر اشیا فروخت کیا کرتی تھیں۔
ترقی اجناس۔ مختلف اشیا کی حفاظت۔ ترقی وغیرہ کے خیال سے ہر ایک چیز کا بہم پہنچانا ایک ایک امیر کے ذمہ ہوا۔ چنانچہ عبدالرحیم خانخانان کو گھوڑے کی نگہداشت۔ راجہ ٹوڈرمل کو ہاتھی اور غلہ۔ مرزا یوسف خاں خان اعظم کے بڑے بھائی کو اونٹ کی نگہداشت۔ شریف خاں کو بھیڑ بکری۔ شیخ ابوالفضل کو پشمینہ۔ نقیب خان کو کتابت۔ قاسم خان میر بحر و بیر بر کو پھول پتے جڑی بوٹی وغیرہ۔ حکیم ابوالفتح کو مسکرات۔ راجہ بیر بر کو گائے بھینس کی ترقی وغیرہ کا اہتمام سپرد ہوا۔
کشتیوں کی عمدہ تراشیں۔ کشمیر کے سیر کے اثناء میں ڈل پر ہزار نفیس نفیس کشتیاں بنگلہ اور جہاز کی ایجاد۔ ایکے نمونے پر بنوا کر ڈالدیں۔ اور سنہ ۔۔۔ میں دریائے راوی میں ایک جہاز تیار کر کے لاہری بندر کو روانہ کیا۔ اسکا مستول ۳۵ گز الہی تھا۔ ۲۹۳۶ بڑے بڑے شہتیر تھے۔ اور ۲۷۸۴ من دو سیر لوہا خرچ ہوا۔

اکبر کی تحصیل علمی اور شوق علمی

اکبر کے اساتذہ کی ذیل میں ملا عصام الدین۔ مولانا عبدالقادر۔ ملا پیر محمد وغیرہ کا نام تاریخوں میں نظر سے گذرا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اکبر نے کتابی علم سے بہت فائدہ نہیں اٹھایا۔ میر عبداللطیف سے دیوان حافظ وغیرہ پڑھنا شروع کیا۔ زبان عربی میں صرف ہوائی شروع کی شیخ مبارک بھی استاد ہوئے۔ مگر عام مضمون

میں تعلیم سے بالکل محروم رہے۔ ہاں معلومات کا قیمتی ذخیرہ سُن سُنا کر جمع کیا تھا۔ مہمات سلطنت میں اسی سے استفادہ کیا کرتا تھا۔ اسکا کتبخانہ کئی جگہ تقسیم تھا کچھ حرم سرا میں۔ کچھ باہر۔ طرح طرح کے علوم وفنون۔ نثر۔ نظم۔ ہندی۔ فارسی۔ کشمیری۔ عربی کی کتابیں الگ الگ جمع تھیں۔ ہر سال موجودات لی جاتی تھی۔ عربی کا نمبر سب سے آخیر تھا۔ مقررہ وقت پر کوئی عالم کتاب پڑھتا تھا۔ اکبر سنتا جاتا تھا۔ جس کتاب کو سنتا تھا اسکا ایک صفحہ نہ چھوڑتا تھا۔ پڑھتے پڑھتے جس جگہ چھوڑتا تھا۔ وہاں اکبر اپنے ہاتھ سے نشان کر دیتا تھا۔ اور جب کتاب ختم ہوتی پڑھنے والے کو بحساب صفحات جیب خاص سے انعام ملتا تھا

ترجمہ کا سر رشتہ کا خاص تھا۔ مختلف زباندان ملازم تھے۔ سنسکرت۔ یونانی۔ عربی کی کتابیں فارسی اور بھاشا میں ترجمہ کرتے تھے۔ جہاں مترجم بیٹھتے تھے اس مقام کا نام مکتب خانہ رکھا تھا۔ تاریخ جدید مرزا الغ بیگ کا ترجمہ میر فتح اللہ شیرازی کے اہتمام سے ہوا۔ کشن جوتشی۔ گنگادھر۔ مہیش مہانند بھی سر رشتہ مذکور میں شامل تھے اور سنسکرت سے مدد کرتے تھے۔ اکبر کی فرمائش سے مفصلہ ذیل کتابیں ترجمہ وتصنیف ہوئیں سنگھاسن بتیسی ملا عبدالقادر بدایونی نے ترجمہ کرکے خرد افزا نام رکھا تھا۔

حیاۃ الحیوان۔ مضمون نام سے ظاہر ہے۔ عربی سے فارسی میں ترجمہ ہوئی۔

اتھربن وید۔ چوتھا وید ہے۔ اسکا ترجمہ ادھورا رہگیا۔

کتاب الاحادیث۔ ملا صاحب نے ثواب جہاد اور ثواب تیراندازی میں لکھی۔

تاریخ الفی۔ ۹۹۰ھ میں بادشاہ نے فرمایا کہ ہزار سال پورے ہوگئے۔ ہزار سال کے واقعات عالم لکھوا کر ایک کتاب کی صورت میں ترتیب دئے گئے۔ اور اسکا نام تاریخ الفی رکھا گیا۔

رامائن و مہابھارت۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے چند پنڈتوں کی امداد سے ترجمہ کیں مہابھارت کا فارسی نام رزم نامہ رکھا گیا۔

جامع رشیدی۔ ملا عبدالقادر نے اس کتاب کا ابوالفضل کی صلاح سے خلاصہ تیار کیا۔

توزک بابری۔ عبدالرحیم خانخانان نے ترکی سے فارسی میں ترجمہ کرکے نذر گزرانی بادشاہ کو بہت پسند آئی۔

تاریخ کشمیر۔ راج ترنگی کشمیر کی قدیم تاریخ سے تیار ہوئی۔

معجم البلدان۔ عجیب وغریب حکایات کا مجموعہ تیار ہوا۔

طبقات اکبر شاہی۔ سنہ الف (ہزار) تک لکھی گئی۔
سواطع الالہام۔ شیخ فیضی کی مشہور بے نقط تفسیر ہے۔
موارد الکلم۔ یہ بھی فیضی کی تصنیف ہے۔
نلدمن۔ ہندوستان کے قدیم فسانے فیضی نے منظوم کئے۔
لیلاوتی۔ ایک حساب کی کتاب فیضی نے سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کی۔
اکبر نامہ۔ (اور آئین اکبری)۔ عیار دانش (قصہ کلیلہ ودمنہ)۔ کشکول۔ تاجک (علم ہیئت) ہری بنس (سری کرشن کا حال)۔ جوتش وغیرہ وغیرہ کتابیں لائق مصنفوں اور مترجموں نے تیار کیں۔

عمارات اکبر شاہی

اکبر کے عہد میں مختلف سالوں میں مندرجہ ذیل عمارات تعمیر ہوئیں۔ کلہ منار بمقام سرہند پہلی فتح کی یادگار میں تعمیر ہوا۔ قطب صاحب کی لاٹ کے پاس خان اعظم شمس الدین خاں وغیرہ کا عالیشان مقبرہ جو بھول بھلیاں کے نام سے مشہور ہے۔ کلہ منار بمقام پانی پت۔ نگر چین یہ ایک شہر تھا جو آگرہ سے تین کوس کے فاصلے پر آباد ہوا۔ نہایت عالیشان اور پر فضا شہر تھا۔ لیکن جلد منہدم ہو گیا۔ مسجد و خانقاہ سلیم چشتی شیخ سلیم چشتی کے ساتھ حسن عقیدت کی وجہ سے تیار ہوئے۔
فتح پور سکری۔ اس شہر میں بادشاہ اور امرا اکبری نے بڑے بڑے عالیشان سنگین اور گچکاری عمارات و محل تیار کرائے۔ اس شہر کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔ اور اکبر کے جاہ و جلال پر دلالت کرتے ہیں۔ بنگالی محل شہر فتح پور سکری میں تعمیر ہوا۔ قلعہ اکبر آباد دریائے جمنا کے کنارے پر تعمیر ہوا۔ خوبی و عمدگی میں عدیم المثال ہے اسکے دروازے کا ہتھیا پول (ہاتھیوں کا دروازہ) تھا کہ دو ہاتھی پتھر کے آمنے سامنے سونڈیں ملائے کھڑے تھے ہمایوں کا مقبرہ ۹۷۷ھ میں مرزا غیاث کے اہتمام سے آٹھ برس کی محنت میں تیار ہوا۔ تمام سنگین اسکی گلتراشی اور منبت کاری دیکھ کر سیاح اب بھی حیران ہوتے ہیں۔
عمارات اجمیر۔ شہر ندکور میں بادشاہ اور امرا نے عالیشان عمارات تعمیر کرائیں۔ کوکر تالاؤ

ناگور کی راہ میں ایک سوداگر نے اپنے وفادار کتے کی یادگار میں بنوایا تھا۔ لوگوں نے شکایت کی کہ تلاؤ خشک ہوگیا ہے۔ بادشاہ نے اسکی جگہ شکر تلاؤ بنایا۔ چاہ و منارہ اجمیر کی سڑک پر منزل بمنزل ایک کنواں اور منارہ تعمیر ہوا۔ عبادت خانہ اور چار ایوان جسکا پہلے ذکر ہوچکا ہے ۹۸۱ھ میں تعمیر کیا گیا۔ الہ آباد گنگا و جمنا کے مقام اتصال پر ایک شہر بسایا۔ قلعہ تارا گڈھ۔ منوہر پور (ایک شہر) قلعہ اٹک۔ حوض حکیم علی۔ انوپ تلاؤ (جو غربا کیلئے روپے اشرفیاں بھری رہتی تھیں) وغیرہ عمارات اکبر کے حکم سے تیار ہوئیں۔

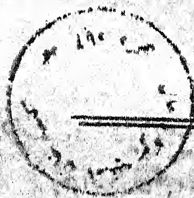
شکوہ سلطنت

شکوہ سلطنت کی کیفیت اکبر کے دربار کی آرائش اور شان و شوکت سے معلوم ہوسکتی ہے۔ اورنگ اکبری ہشت پہلو موزوں اور خوشنما تخت تھا۔ گنگا جمنی یعنے سونے چاندی کے عنصروں سے ڈھلا ہوا تھا۔ اس پر بیش قیمت الماس۔ لعل۔ یاقوت اور موتی مرصع تھے۔ سر پر چتر زرکار۔ زرتار۔ جواہر نگار جھالروں میں مروارید و جواہرات جھلمل جھلمل کرتے تھے۔ سایہ بان۔ بیضوی تراش گز بھر بلند۔ زربفت۔ مخمل۔ جواہرات اور مروارید سے آراستہ تھا سفر میں دھوپ سے بچنے کے لئے چالاک خاصہ بردار رکاب کے برابر لئے چلتے تھے۔ کوکبہ۔ سونے کے چند گولے دغدغ کرتے پیشگاہ دربار میں آویزاں ہوتے تھے یہ چاروں چیزیں بادشاہ کی ذات سے خاص تھیں۔ شہزادے یا امیر نہ رکھ سکتے تھے۔ اور مندرجہ ذیل چیزیں بھی سلطنت کا لازمہ خیال کی جاتی تھیں۔ علم وہ تھے میدان جنگ میں کھولے جاتے تھے۔ چتر توغ ایک قسم کا علم تھا۔ اس پر کئی قطاس یعنے پہاڑی گائے کی دمیں تھیں۔ تمن توغ یہ بھی ایک قسم کا علم تھا۔ چتر توغ سے ذرا اونچا ہوتا تھا۔ جھنڈہ۔ پلٹن پلٹن رسالے رسالے کا الگ الگ جھنڈہ (علم) ہوتا تھا۔ کورگہ (دمامہ) نقار خانے میں اسکی ۱۸ جوڑیاں ہوتی تھیں نقارہ کم و بیش بیس جوڑیاں۔ دہل کم سے کم چار ہوتے تھے۔ کرنا۔ سونے چاندی اور پیتل وغیرہ سے ڈھالی جاتی تھیں۔ کم از کم چار بجائی جاتی

تھیں۔ مرنا۔ ایرانی ہندوستانی۔ اور یورپین۔ ہر قسم کی کئی نفیریاں نغمہ ریزی کرتی تھیں
سینگ۔ گائے کے سینگ کی وضع پر تانبے کے سینگ ڈھال لیتے تھے۔ اور دو بجائے
جاتے تھے۔ سنج (جھانج) تین جوڑیاں بجتی تھیں۔

پہلے چار گھڑی رات رہے۔ اور ہم گھڑی دن رہے نوبت بجا کرتی تھی
اکبری عہد میں ایک آدھی رات ڈھلے بجنے لگی کہ آفتاب چڑھاؤ کے درجہ میں قدم
رکھتا ہے۔ دوسری طلوع کے وقت۔

اکبر کے دربار اور جشنوں وغیرہ کی کیفیت قلمبند کرنے کے لئے دفتر
کے دفتر چاہئیں۔ ہمیں اختصار مدنظر ہے۔ بدیں وجہ ہم ناظرین سے بالفعل
رخصت ہوتے ہیں۔ شائد شاہان مغلیہ کے سلسلہ میں کسی اور سوانح عمری
کے ذریعے ہماری ملاقات ہو۔





ناول — ناول

محبت انگیز اور معنے خیز تازہ بتازہ ناول و ناٹک

فہرست کتب

ہنسی مذاق کا مخزن — کتابوں کا ذخیرہ — دل لگی کا سامان

کرنیل کی بیٹی

ناعاقبت اندیش جعلسازوں کی دغابازیوں کا سچا نقشہ۔ ماں باپ سے بچھڑی ہوئی ایک حسرت نصیب لیڈی کی پُر درد داستان سگے بھائیوں کی قابل تعریف مردانہ محبت کا ثبوت عاشق و معشوق کے ملاپ۔ رنج و الم کا خاتمہ جعلسازوں کو عبرتناک سزائیں وغیرہ وغیرہ دلچسپ مضامین ناول کے سانچے میں کچھ اس خوبی سے ڈھالے گئے ہیں۔ جس کا لطف صرف پڑھنے ہی سے معلوم ہو سکتا ہے قیمت آٹھ آنہ — — — — — — ۸/

غرور حسن

عشق و حسن کا دلچسپ فسانہ۔ پر غرور حسین معشوق کی بے پرواہی عاشق سوختہ جگر کی نازبرداریاں چوٹ کھائے ہوئے دلوں کی بیتا بیان۔ ناقابل برداشت جدائی کے صدمے۔ رقابت کے جوش۔ دل تڑپا دینے والے واقعات کچھ ایسے پُر تاثیر الفاظوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ کہ ان کا اصلی فوٹو اُتار کر ناظرین کے پیش کرنا مشتہر کی طاقت سے کوسوں دور ہے اس ناول کو ضرور پڑھئے اور مصنف کی محنت کی داد دیجئے۔ قیمت آٹھ آنہ .. .. - ۸/

قزاق کی بیٹی

مصیبت کا ساتھی کوئی نہیں! زندگی بڑی عزیز چیز ہے۔ لیکن متواتر ٹوٹ پڑنے والی مصیبتیں اور زمانہ کی سختیاں انسان کو اس سے بھی بیزار کر دیتی ہیں۔ ہاں راحت کے بعد رنج اور رنج کے بعد راحت کا ہونا لازمی ہے۔ خدا کی درگاہ سے کبھی مایوس نہ ہونا چاہیئے یہ وہ باتیں ہیں جن کا پورا پورا ثبوت آپ کو اس ناول میں ملیگا۔ یہ انوکھی ناول جو غلام حیدر خاں صاحب جیسے لائق مصنف کی پُر زور قلم سے نکلی ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اعلےٰ درجہ کی دلکش اور اپنے نتیجہ خیز قیمتی مضمونوں کی وجہ سے بے نظیر نہ ہو۔ قیمت آٹھ آنہ .. .. - - ۸/

شہید محبت

جیسا کہ اس کا نام دلچسپ ہے ویسی ہی مزیدار ناول بھی ہے۔ اس کے مطالعہ سے علاوہ سامان دل لگی کے ایک نہایت مفید سبق حاصل ہوتا ہے۔ اگر آپ محبت صادق اور محبت کاذب کا فرق معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس کو ضرور پڑھیں۔ قیمت ۸/

حمید و ریحانہ

ماں باپ کے بغیر معصوم بچوں کے لئے خود غرض رشتہ داروں کی بیداد کی ہوئی صعوبتوں کا دل دکھا دینے والا نظارہ۔ بیکس اور بے بس یتیموں کی مصیبتوں کا نقشہ سنگدل اور بیرحم ظالموں کی افترا پردازیاں۔ نیک اور رحم دل پولیس افسر کی کوششوں سے ظالموں کی سرکوبی اور حقداروں کی حق رسی وغیرہ وغیرہ دلچسپ نتیجہ خیز اور عبرتناک واقعات کی مجسم تصویریں کچھ اس خوبی سے کھینچی گئی ہیں کہ کتاب کے ایک ایک فقرہ سے مصنف کی ذہانت ٹپکتی ہے۔ قیمت ۸/

[illegible]

کوئی کلاک ٹائم پیس یا گھڑی مرمت کرانے والی ہو تو فوراً اس کتب خانہ کو روانہ فرمایئے

نشتر کینہ لڑکی

یہ ایک دلچسپ اور مشہور انگریزی ناول کا ترجمہ ہے۔ اگر آپ سچی محبت کے حیرتناک کرشمے عاشق و معشوق کی دلی بیتابیوں کی منہ بولتی تصویریں رقیبوں کی ہتھکنڈے اور خطرناک تدبیریں جھوٹے الزام اور بے بنیاد تہمتیں بے رحم خوردہ دلوں کی بیتابیاں غیرہ وغیرہ دلگیر سین دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کو دیکھئے قیمت ۸/

بچھڑی ہوئی دلہن

یوں تو اس کتاب کا نام ہی ظاہر کر رہا ہے۔ کہ یہ کیسی دلچسپ اور درد انگیز ناول ہوگی تاہم ہم اپنے ناظرین کو آگاہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ کہ یہ ناول واقعی نہایت دلکش ناول ہے نا عاقبت اندیش شوہر کا اپنی پاکدامن بیوی سے بدظن ہوکر متنفر ہوجانا۔ ایک عرصہ تک دونوں کا آتش فرقت میں جلتے رہنا۔ مگر آخرکار موافقت زمانہ سے اصلیت کا ظاہر ہو جانا۔ باہمی رنجش و دلی کدورتوں کا دور ہوکر وہی پہلی سی گرم جوشیاں سچ پوچھو تو اس ناول کو پڑھ کر کہیں تو آنسو بہ نکلتے ہیں۔ اور کہیں دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ قیمت ۸/

مسٹریز آف راولپنڈی

نتائج اعمال یہ راولپنڈی کے عجیب و غریب خوفناک اسرار مصنف نے اس خوش اسلوبی سے لکھے ہیں۔ کہ اصلی واقعات کو جھوٹے گپوڑوں سے کہیں خراب نہیں ہونے دیا۔ گو سچے واقعات اور اصلی حالات کو مصنوعی ناموں کی بناوٹی رنگ آمیزیوں کے ساتھ شروع ہی سے دلچسپ ضرور بنا دیا ہے پیارے ناظرین! اگر مسٹریز پڑھنے کا شوق ہو تو اسے منگوا کر ملاحظہ کیجئے۔ دل لگی کے علاوہ نصیحت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ قیمت دس آنے ۱۰/

مسٹریز آف پشاور

پیارے ناظرین! کیا آپ کو کبھی پنجاب کے سرحدی شہر پشاور کے حالات سننے یا اخبار میں پڑھنے کا موقع نہیں ہوا ہے؟ اگر ہوا ہے تو مفصل واقعات دلچسپ حالات اور خوفناک اسرار معلوم کرنے کا آپ کے دل میں ضرور شوق ہوگا۔ کیونکہ اس شہر میں اس قدر وارداتیں ہر روز اس کثرت سے وقوع میں آتی ہیں۔ کہ جن کے سننے میں نہایت ہی دلچسپی اور ایک طرح کی نصیحت اور عبرت بھی حاصل ہوتی ہے۔ پیارے ناظرین اگر آپ کو کبھی کوئی مسٹریز پڑھنے کا موقعہ ہوا ہے تو سمجھ لیں۔ کہ اس سے بڑھ کر دلچسپ کوئی مسٹریز آج تک طبع نہیں ہوئی۔ قیمت فی حصہ ۸/ تینوں حصوں کی ۱/۸

مسٹریز آف پولیس

اس میں سراغرسانی اور بدمعاشوں کے ہتھکنڈوں کے عجیب عجیب طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ ہر ایک افسر و ملازم محکمہ پولیس کے لئے خصوصاً اور ہر ایک جنٹلمین کے لئے عموماً اس کا رکھنا نہایت ضروری ہے۔ قیمت ۱۲/

مسٹریز آف کوہاٹ

عجیب و دلچسپ عبرت انگیز اور معنی خیز ناول ہے۔ اس میں نصیحت کیسی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ کہ ہر ایک چپٹر سے ایک اخلاقی نتیجہ نکلتا ہے ناول کیا عبرت کا نمونہ سراپا حسرت کی تصویر ہے۔ یہ ناول تو تاریخی ہے مگر سرحدی واقعات اسمیں بہت ہیں اور اہل سرحد کی طرز معاشرت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ مزید براں عبارت سلیس روزمرہ کی بول چال اور شعر و اشعار سے بھرا ہے واقعات اصلی بڑی محنت و جانفشانی اور زر کثیر سے بہم پہنچائے گئے ہیں۔ لکھائی چھپائی عمدہ قیمت ۱۰/

مسٹریز آف کابل

واہ! واہ!! واہ!!! لے مسٹریز کے شائقینوں لیجئے آپ کے لئے ایک سے ایک بڑھ کر مسٹریز موجود ہے کابل کا نام کس نے نہیں سنا ہوگا اور کس کو وہاں کے حالات سے دلچسپی ہوگی مگر آج تک کسی کو حوصلہ نہ ہوا کہ ناظرین کی تفریح طبع کیلئے کوئی کابل کی مسٹریز یا دلچسپ واقعات تحریر کرے گویہ آرزو اکثر اصحاب کی تھی بھی۔ مگر اس قدر دور دراز کے ملک کے اصلی واقعات بہم پہنچانے میں صرف کثیر کا بار کون اٹھاتے۔ لیجئے صاحب بعد مدت دراز یہ آرزو بھی پوری ہوئی۔ کابل کے اصلی واقعات اور دلچسپ حالات موجود ہیں۔ ملاحظہ کیجئے اور مصنف کی محنت کی داد دیجئے۔ یہ مسٹریز کابل کے ایک رئیس زادہ کی تصنیف ہے قیمت ۱۰/

محروم وصل

اس ناول میں حسن و عشق کی داستان نہایت ہی دلپذیر اور پُراثر قصہ عفت و عصمت کی پاک تصویر تعلیم نسوان کے فوائد۔ عورتوں کی جانباز بہادری مسلمانوں کی شجاعت میرہٹوں کی جانبازی ایک عشقیہ قصہ کے پیرایہ میں دکھلائی گئی ہے نتیجہ اس قدر دلچسپ پُردرد اور نصیحت آمیز ہے کہ شاید ہی کسی ناول کا ہوگا کئی مرتبہ چھپ چکا ہے قیمت ۱۲/

المشتہر: بندہ منشی رام اگروال تاجر کتب مالک نعم تعلیمی کتب خانہ پنجاب پروپرائٹر اردو اخبار انار کلی لاہور

طاعونی طلسمی انگوٹھی کے ہاتھ میں پہننے سے طاعون بالکل نزدیک نہیں آتا۔ اگر ذکر لگانے سے درم دور ہو جاتا ہے۔ اور انگھوں میں لگانے سے طاعونی بخار اسی وقت اتر جاتا ہے قیمت

انگلستان کا سفید غلام یا حسرت وصل

نام ہی سے حسرت برستی ہے نہایت ہی پُرسوز کتاب ہے۔ انگریزی کے ایک نہایت ہی دلچسپ اور دلکش ناول کا خلاصہ ہے۔ اصلی پلاٹ کی دلچسپی کے علاوہ مصنف نے موقعہ بموقعہ اشعار کی چاشنی اور رنگینی عبارت سے اور بھی دلچسپ بنا دیا ہے۔ انگریزی طرز کا بے مثل ناول ہے۔ کئی مرتبہ چھپ چکا ہے قیمت ۱۲/

عیار قلندر

لیجئے شائقینو! اگر آپ کو سراغرسانی کے ناولوں سے دلچسپی ہے۔ تو آپ اسے منگوا کر ملاحظہ کیجئے۔ اگر سراغرسانی کے باقی سب ناولوں کو بھول نہ جائیے تو میرا ذمہ۔ یہ ایک ایسا دلچسپ ناول ہے۔ کہ اس کا ثانی شاید ہی کوئی ہو تو ہو۔ اس میں ایک خفیہ واردات کا دلچسپ سین اور خفیہ پولیس کی سراغرسانی کا ایک عجیب ڈھنگ۔ اس رنگ ڈھنگ سے بیان ہوا ہے کہ ناظرین دنگ ہو جاتے ہیں۔ یہ ناول اس قدر مقبول عام ہوا ہے۔ کہ تھوڑے ہی دنوں میں تیسری مرتبہ چھپا ہے۔ قیمت صرف - - - ۸/

بغلی گھونسہ

یہ انگریزی کے نہایت ہی عمدہ اور دلچسپ ناول کا ترجمہ ہے۔ ایک نمک حرام نوکر کا بہ طمع زر اپنے مالک کو قتل کر کے خون اس کے بیٹے کے ذمہ لگانا اور اس کی بیوہ کو بھی خونی بنانے کی دھمکی دے کر شادی کی درخواست کرنا۔ آخر خفیہ پولیس کی کارروائیوں سے اصل مجرم یعنی نوکر کی گرفتاری اور سزا وغیرہ وغیرہ۔ قیمت صرف - - - - - - ۸/

ثمرۂ خاموشی

اس ناول کا مضمون اور عبارت دونوں ہی اس قدر دلچسپ اور درد انگیز ہیں کہ پڑھتے پڑھتے آنسو ٹپک جاتے ہیں۔ ایک حسین مگر بیکس لیڈی کی داستان ایسی دردناک داستان ہے جس کا فوٹو لفظوں میں اتارنا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ بالکل ناممکن ہے۔ بس دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ قیمت - - - - - - ۸/

حسین گنہگار

ایک نہایت ہی دلچسپ اور سچا واقعہ جس میں محبت اور عشق کے علاوہ مشہور ڈاکو جنٹی کے حیرت انگیز کارنامے اور پولیس افسروں کی ذہانت اور جودت طبع کی زندہ تصویریں نظر آتی ہیں۔ قیمت فی جلد - - - - ۸/

فریب محبت

ایک نازنین کا اپنے ایک ہم مکتب نوجوان پر عاشق ہو جانا اور کسی دوسرے اپنے ہم مکتب کے عشق جتانے پر نازنین کا دھتکار دینا۔ مگر پہلے عاشق کا بیوفا نکلنا۔ اور اپنی معشوقہ کو محبت کے دھوکے سے اپنی بہتری کے لئے عذاب میں پھنسانا۔ مگر نازنین کے اس دوسرے عاشق کا اپنی معشوقہ کو چھوڑانا۔ اور دغاباز کو سزا دلانا وغیرہ وغیرہ۔ قیمت ۱۲/

وفادار بی بی

ایک یورپین لیڈی کی سچی وفاداری اور شوہر پرستی کا پورا پورا ثبوت۔ کوتاہ اندیش شوہر کی ناواجب بدظنی۔ مگر باوجود حد درجے کی مایوسیوں کے بیوی کا اپنی پاک امنگ کو ہاتھ سے نہ دینا۔ اس ناول کا مطالعہ دل پر ایسا اثر کرتا ہے کہ بغیر ختم کئے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا قیمت ۸/

خون ناحق یا خودکشی

اس ناول کی عبارت شستہ اور اردو لٹریچر کا ایک اعلےٰ نمونہ ہے۔ جس کے ساتھ ہی چوروں اور رہزنوں کے ہتھکنڈے اور ایک لائق سراغرساں کی حیرت انگیز کارروائیاں نہایت دلچسپ پیرایہ میں بیان کی گئی ہیں۔ قیمت - - - ۸/

آرام جان

یہ ناول نہایت ہی دلچسپ ناول ہے محض اس وجہ سے نہیں کہ اس کی عبارت سلیس اور بامحاورہ ہے۔ بلکہ زیادہ تر اس لئے قابل قدر ہے کہ اس کے مطالعہ سے عیاشی اور بازاری عورتوں کی محبت کے بدنتائج آنکھوں کے سامنے پھر جاتے ہیں۔ اور نوجوانوں کے لئے ناصح مشفق کا کام دیتے ہیں + قیمت - - - - - ۸/

وفادار عورت

ایک نیک بخت عورت کی قابل تحسین وفاداری جس نے باوجود شوہر کی سرد مہری کے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کی۔ قیمت - - - ۶/

المشتہر۔ بندہ منشی رام اگروال تاجر کتب مہتمم تعلیمی کتب خانہ پنجاب پروپرائٹر اردو اخبار انارکلی لاہور

کتب مندرجہ فہرست ہذا کے علاوہ دیگر ہر قسم کی کتب ہر علم و مذہب کی ہر زبان میں اس کتب خانہ سے بارعایت مل سکتی ہیں

انارکلی

ایک دلچسپ تاریخی فسانہ شمس النساء بیگم مشہور بہ انارکلی اور شہزادہ سلیم یعنی شہنشاہ جہانگیر کے عشق اور محبت کا دردانگیز حال ایک دلچسپ پیرایہ میں درج ہے اس کا پانچواں اڈیشن اب بہت سی ترمیمات و معلومات کے ساتھ چھپا ہے اور ضخامت تقریباً پہلے سے دوچند ہو گئی ہے۔ گویا اب یہ نئی انارکلی بن گئی ہے قیمت عہ/

بائیسکل کا شوقین

نئی روشنی والے اس ناول کو ضرور پڑھیں اور وہ جنٹلمین بھی ضرور مطالعہ کریں جو چاہتے ہیں۔ کہ جس طرح ہو ایک بائیسکل سواری کے لئے ضرور ہو اس ناول میں حسن و عشق کے دلفریب سین بھی دکھلائے گئے ہیں جس سے یہ ناول ایک مزیدار پر لطف اور دلچسپ بن گیا ہے۔ بول چال پاکیزہ اور دہلی کی ستھری زبان میں ہے۔ قیمت ۸/

جوانہ مرگ

دو نوجوان مگر پرارمان طبیعتوں کی درد بھری داستان۔ آتش محبت میں سنگ سنگ کر جل بجھنے والی شمع کا رقت انگیز نظارہ بستر مرگ پر لیٹے ہوئے معشوق کے بالین اس کے چاہنے والے کی دلی بیتابیوں اور مایوسیوں کا فوٹو کچھ ایسے دردناک الفاظ میں کھینچا گیا ہے کہ پڑھتے پڑھتے خواہ مخواہ آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔ قیمت ۶/

مکافات عمل

یہ ناول کوئی معمولی نہیں۔ اس میں عیاشی اور فضول خرچی کے عبرتناک نتیجے کا فوٹو نہایت قابلیت سے کھینچا گیا ہے۔ اور بتلایا گیا ہے۔ کہ ان ناعاقبت اندیش نوجوانوں کا جو خودغرض دوستوں کی قبیح صحبت سے عیاشی کا شکار بن جاتے ہیں۔ کیا انجام ہوتا ہے ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس کا مطالعہ نوجوانوں کیلئے بہت کچھ مفید ثابت ہوگا قیمت ۶/

چالاک عورت

ایک نہایت ہی چالاک اور ہوشیار عورت کی کارستانیاں جن سے ایک مشہور معروف سراغرساں کو ناکوں چنے چبانے پڑے۔ مگر ساتھ ہی سراغرساں کی قابلیت اور مستقل مزاجی اس حد تک ظاہر ہوتی ہے۔ جہاں تک کہ خاص خاص انسانوں کی رسائی ہو سکتی ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ پبلک کے لئے عموماً اور اہلیان پولیس کے لئے خصوصاً بہت کچھ واقفیت و راز کی باتیں پیش کرتا ہے۔ قیمت ۱۲/

وفا و جفا

آتش عشق سے جلتے ہوئے عاشق و معشوق کی آہ و زاریاں۔ کشتگان محبت کی دل تڑپا دینے والی بیتابیاں پڑھنے والے کے دل پر بجلیاں گراتی جاتی ہیں خوبیہ ہر موقعہ بموقعہ کے اشعار نے کتاب کی دلچسپی کو اور بھی بڑھا دیا ہے۔ قیمت ۸/

بیزار خاوند

ایک مہذب اور دلچسپ انگریزی ناول کا اردو ترجمہ جس میں ایک شوہر پرست لیڈی کی سرگذشت نہایت موثر الفاظ میں قلمبند کی گئی ہے۔ مگر کتاب کے ابتدائی مضمون کے لحاظ سے مصنف نے اس کا نام بیزار خاوند تجویز کیا ہے۔ لیکن اس شخص سے زیادہ خوش قسمت دنیا میں کون ہوگا۔ جس کو نیک بخت اور محبت کرنے والی عورت نصیب ہو قیمت ۸/

یادداشت جرم یا نوسرباز پارٹی کے عجیب و غریب راز

اس کتاب میں ایک بڑے بھاری جتھے بدمعاشوں کے (جن میں بڑے بڑے ذی رتبہ اشخاص اور آنریری مجسٹریٹ بھی شامل تھے) وہ راز کھولے گئے ہیں کہ جسے پڑھ کر انسان زندگی بھر کے لئے ایسے معاشوں کی عیاریوں سے ہوشیار ہو سکتا ہے۔ اور عمر بھر اپنی محنت سے کمائے ہوئے مال و دولت کو ایسے ایسے مکاروں کے ظالم پنجوں سے بچا سکتا ہے۔ قیمت ۸/

وفادار عورت

ایک نیک بخت اور مستقل مزاج عورت کی قابل تحسین وفاداری جس نے اس صورت میں بھی جبکہ اس کا شوہر اس کے ساتھ کمال سردمہری سے پیش آتا تھا۔ باوجود بدلے درجہ کی مایوسیوں کے اپنے فرائض ادا کرنے میں مطلق کوتاہی نہیں کی علاوہ ازیں عبارت کی چستی اور محاورات کی بندش نے اس کی خوبی کو دوبالا کرنے میں بہت کچھ کامیابی حاصل کی ہے قیمت ۶/

درخواست بنام منشی رام اگروال تاجر کتب مہتمم تعلیمی کتب خانہ پنجاب و سپرانٹنڈ اردو اخبار انارکلی لاہور

درِ مکتوم یعنے حیات زیب النسا — شہنشاہ عالمگیر کی پیاری بیٹی زیب النسا کی ابتدائی زندگی - ذہانت و جودت - تحصیل علم - شاعرانہ مذاق - شاعروں کی کیفیت عشق و محبت کے چرچے - شادی کی تجویزیں - بیگم کا شادی کرنیسے انکار - اسکی حاضر جوابیاں عاقل خاں صوبہ لاہور سے پاک محبت - اور اسکا مہلک نتیجہ بیگم کی قید شاعری اور وفات - نہایت ولولہ انگیز زبان میں تحریر کیگئی ہے - **قیمت** - - - - ۶ر

مہاتما بدھ — ساکی منی یا گوتم کی سوانح عمری - جسمیں کپل وستو کے شہزادہ کی ابتدائی تعلیم - دنیا سے نفرت - غور و فکر - والدین کے مشورہ سے شادی کرنے - اسکی بیوی گوپا کی عفت و عصمت اور اطاعت - اسکے چار عبرت بخش نظارے دیکھکر دنیا سے قطع تعلق کرنے - فقیرانہ ریاضت تلاش حق - معرفت - جدید مذہب کی تلقین - ہزارہا باشندوں کے پیرو ہونے کے حالات اس عمدگی و خوبی سے حوالۂ قلم کئے گئے ہیں - کہ ناظرین بے ساختہ تعریف کریں - **قیمت** ۸ر

شیر پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ — سکھوں کے مذہب کا آغاز - اسکے بانی گورو نانک صاحب اور دیگر گوروؤں کے مختصر حالات - سکھوں کی لوٹ مار - اس مذہب کا نشو و نما - اور سکھوں کی قوم کا رفتہ رفتہ ترقی کرنا - سکھ سرداروں کا پنجاب و ہندوستان کے اکثر علاقوں پر قابض ہونا - رنجیت سنگھ کے آبا و اجداد اور خود اسکا ان سرداروں کو مطیع کرنا - اسکی شجاعت و لیاقت مہمات - انتظام - خرچ - اور سلطنت کی صحیح صحیح کیفیت - **قیمت** ۸ر

دوست محمد خاں — سلطنت افغانستان کے مختصر حالات - ابدالی خاندان کے کمزور بادشاہوں کے عہد سلطنت میں اسکی تباہی - فتح خاں کی ہمت و کوشش اور افغانستان کی اصلاح - اسکا دردناک انجام - دوست محمد خاں اور اسکے بھائیوں کی خانہ جنگیاں - دوست محمد خاں کا امیر کابل ہونا - انگریزوں کا شاہ شجاع کو تخت نشین کرنا - دوست محمد خاں کا اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کرنا - اکبر خاں اسکے بیٹے کا انگریزی سپاہ کا صفایا کرنا - دوست محمد خاں کی واپسی وغیرہ کے دلچسپ اور تاریخی حالات - **قیمت** - - ۶ر

راجہ بیربر — اکبر کے دربار میں ابو الظرافت بیربر کی جو عزت ہوتی تھی - اسکا شہرہ ہر ایک نے سنا ہوگا اگر صحیح صحیح حالات معلوم کرنے ہوں تو "راجہ بیربر" کا مطالعہ فرمائیں - **قیمت** ۴ر

حیات نور جہاں و جہانگیر — ہندوستان کی حسین ملکہ نور جہاں بیگم اور مشہور حسن پرست بادشاہ شہنشاہ جہانگیر کے مکمل اور صحیح حالات نہایت ہی معتبر اور چیدہ مورخوں کے اقوال - غلط بیانی کی تردید - **قیمت** ۶ر

اگر گھر بیٹھے بغیر نیند حرام رکئے تھیٹر کا مزا لوٹنا چاہتے ہو تو مفصلہ ذیل ناٹک طلب کریں

جام جہاں نما - سندر بیناوتی - کنک تارا - امداد غفار - ارمان دل - ظلم چنگیز

۸ر ۸ر ۸ر ۶ ۸ر ۸ر